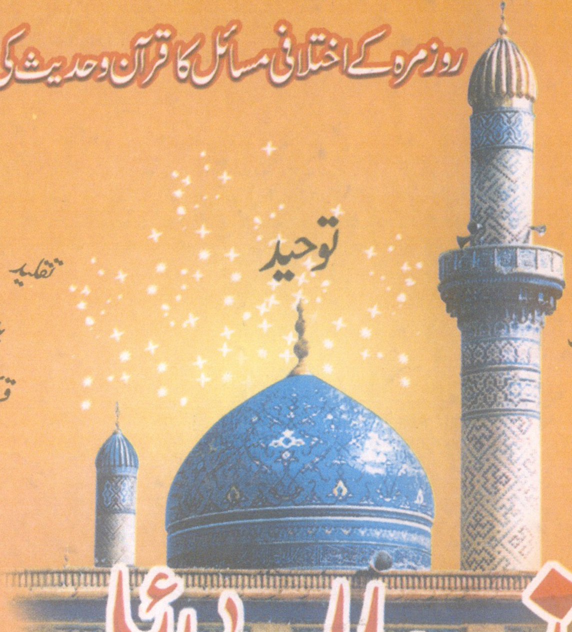
روزمرہ کے اختلافی مسائل کا قرآن و حدیث کی روشنی میں حل



توحید

ختم نبوت

یارسول اللہ

نور و بشر

حاضر و ناظر

علم غیب

تبرکات کی اہمیت

قبروں کی زیارت

تقلید

بدعت

قرأت خلف الامام

رفع یدین

نماز تراویح

دعا بعد از نماز جنازہ

حیلہ اسقاط

ایصال ثواب

نصیر المسائل

امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ ائمہ جرح و تعدیل کی نظر میں



مؤلف

محمد ظفر الرحمن ظفر چشتی نعیمی

مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور

ادارہ نصیر المصنفین

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب: نصیر المسائل

مصنف: محمد ظفر الرحمٰن ظفر چشتی

نظر ثانی: مولانا محمد عارف خورشیدی، مولانا ضمیر احمد مرتضائی، مولانا سید محسن رضا شاہ

پروف ریڈنگ: نعیم عباس، اصغر علی رضوی

کمپوزنگ: عبدالرحمٰن جلالپوری، محمد افضال احمد

ناشر: ادارہ نصیر المصنفین 0344-5533374
0344-4078721☆ 0346-6084415☆ 0305-6189372

اشاعت اول: ۲۰۱۲ء

تعداد: ۱۱۰۰

ملنے کا پتہ:

☆ نعیمیہ بکسٹال حق سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ 0300-4986439

☆ مکتبہ مہریہ نصیریہ گولڑہ شریف اسلام آباد۔ 0092-51-2106464

☆ مکتبہ ابوحنیفہ، جامعہ نعیمیہ لاہور۔ 03214318640

☆ بلال بک ڈپو، مین بازار جورا ضلع نیلم آزاد کشمیر۔ 05821458323

☆ الحسین اسلامک سنٹر بھائی پھیرو۔ 03349839217

☆ شبیر برادرز زبیدہ سنٹر اردو بازار لاہور۔ 042-37246006

☆ نظامیہ کتاب گھر زبیدہ سنٹر اردو بازار لاہور۔ 0301-4377868

الاهداء

اپنے استاذ، محسن و مربی، داعی اتحادِ امت، غمخوارِ امت مسلمہ، شہید اسلام، شہید پاکستان، حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی شہید رحمۃ اللہ علیہ جو کہ۔

منبعِ علم ، مصدر اخلاق
مہر و الفت ، کرم کا وہ پیکر
درد اسلام کا ،وہ رکھتا ہے
اور کرتا ہے راج وہ دل پر
کچھ نہ تفسیر کی ملی مہلت
اس کے رخ کی شرح لکھوں کیوں کر
علم کا دوست اور ہنر پرور
الغرض قوم کا ہے وہ رہبر

کے نام کرتا ہوں

محمد ظفر الرحمٰن ظفر چشتی نعیمی

۲۹۔۴۔۱۴۳۲ھ

۴۔۴۔۲۰۱۱ء

انتساب

میں اپنی کاوش کو منبع علم وفضل، وارث علوم مولا علی رضی اللہ عنہ، مدرس توحید و رسالت، شاعر ہفت زباں، سیدی مرشدی جناب علامہ پیر سید **نصیر الدین نصیر گیلانی** چشتی قادری نور اللہ مرقدہ کہ جنھوں نے فرمایا۔

خم ہے سرِ انسان تو حرم میں کچھ ہے
لوگ اشک بہاتے ہیں تو غم میں کچھ ہے
بے وجہ کسی پر نہیں مرتا کوئی
ہم پر کوئی مرتا ہے تو ہم میں کچھ ہے

کے نام منسوب کرتا ہوں

محمد ظفر الرحمٰن ظفر چشتی نعیمی

۲۹۔۴۔۱۴۳۲ھ

۴۔۴۔۲۰۱۱ء

فہرست مضامین

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین وعلی الہ و اصحابہ و اھل طاعتہ الی یوم الدین اما بعد.

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا اور پھر ان کی رشد و ہدایت کے لیے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر نبی کے مخالفین بھی میدان میں آتے گئے جنہوں نے نبی کو جھٹلایا اس سے بغض و حسد کیا اور اسے اپنے جیسا کہنا شروع کر دیا۔ اس طرح محمد رسول اللہ ﷺ کے مخالفین نے بھی ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور آپ کو تکالیف دیں آپ کے وصال کے بعد بھی آپ کے ساتھ ایسا ہی کیا اور آپ کی احادیث کو تعصب کی بنا پر جھٹلایا جو حدیث ان کی خواہش کے مطابق ہو اسے قبول کر لیتے اور بعض احادیث میں ردوبدل کر کے ان کا غلط مفہوم نکالنا اور محمد رسول اللہ ﷺ کے غلاموں پر کفر و شرک کے فتوے لگانا ان لوگوں کا وطیرہ ہے (لیکن اللہ نے حق کی حفاظت خود کرنی ہے) ان لوگوں پر حق کے واضح ہونے کے باوجود وہ تعصب کی بناء پر حق کو قبول نہیں کرتے حالانکہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی مذمت فرمائی ”وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا“[1]

ترجمہ:

اور جو شخص راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے باوجود بھی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے ہم اسے ادھر پھیر دیں گے جس طرف وہ خود پھرا اور ہم اسے دوزخ میں ڈال دیں گے۔ یقیناً وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا ”فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ

---

[1]: النساء : ۱۱۵

فِتنَةٌ اَوْ یُصِیبَهُم عَذَابٌ اَلِیمٌ"[۱]

ترجمہ:

اور جو لوگ حکم رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔

اس لیے میری تمام مسلمانوں سے التجاء ہے۔ (جو اپنے عقیدے خراب کر چکے ہیں) کہ اپنے عقائد کو قرآن و حدیث کے مطابق درست کریں اور اپنے عقیدے و عمل کی صحیح سمت کا تعین کریں کیونکہ اللہ کا فرمان ہے "وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰی لَهَا سَعْیَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعْیُهُمْ مَشْکُوْرًا"[۲]

ترجمہ:

اور جس کا ارادہ آخرت کا ہو اور جیسی کوشش اس کے لیے ہونی چاہیے وہ کرتا ہو اور وہ ایماندار بھی ہو پس یہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی اللہ کے ہاں پوری قدر کی جائے گی۔

آج امت مسلمہ یہود و ہنود کے منصوبے کے تحت انتشار و افتراق کا شکار ہے گاہے بگاہے اللہ کا عذاب مختلف صورتوں میں نازل ہوتا ہے کبھی زلزلے کی صورت میں کبھی سیلاب کی صورت میں، کبھی ہمارے اوپر ظالم و جابر حکمران مسلط کر دیئے جاتے ہیں جو غریبوں کا خون و پسینہ پی جاتے ہیں اولاد کا نافرمان ہونا، گھروں کے اندر لڑائی جھگڑے آپس کی دشمنی یہ تمام اللہ کے عذاب کی صورتیں ہیں یہ سارا کچھ اس وجہ سے ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کے دلوں سے رسول اللہ ﷺ کی محبت و تعظیم کو ختم کیا جا رہا ہے اور آپ کی گستاخیوں کو عروج دیا جا رہا ہے جو سراسر اللہ کے عذاب کا سبب ہیں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا"[۳]

۱: النور: ۶۳ ۲: بنی اسرائیل: ۱۹ ۳: الاحزاب: ۵۷

ترجمہ:

بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اسکے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اس لیے اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں دنیا و آخرت میں سکون ملے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنی خواہشات کو ترک کر کے رسول اللہ ﷺ کی سچی غلامی اختیار کریں اور آپ کے ادب و تعظیم کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دیں اور توحید کی آڑ میں محبوبان خدا کی توہین ترک کر دیں کیونکہ جو توحید رسول اللہ ﷺ کی ذات کو چھوڑ کر ہو وہ شیطانی توحید ہے۔

دیکھ سرکار کا انکار نہ ہونے پائے
ایسی توحید تو شیطان بنا دیتی ہے

(حافظ مظہر الدین رحمتہ اللہ علیہ)

اللہ کی محبت کے لیے ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ، آپ کے اہل بیت، آپ کے اصحاب اور امت کے ائمہ مجتہدین اور علماء مشائخ حق سے محبت رکھی جائے جو ان سے محبت نہیں رکھے گا وہ اللہ کی محبت سے محروم رہے گا بلکہ وہ اللہ کے غضب کا شکار ہو گا جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین''[1]

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اور فرمایا ''اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا بعدی''[2]

ترجمہ: میرے اصحاب کے متعلق اللہ سے ڈرو، میرے بعد ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنانا۔

---

[1] بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان، ج:۱، ص:۷، قدیمی

[2] ترمذی، ابواب المناقب، باب فی من سب اصحاب النبی ﷺ ص:۲۰۶، ج:۲، مطبوعہ رحمانیہ

اور حسنین کریمین کے بارے میں فرمایا ”من احبھما فقد احبنی ومن ابغضھما فقد ابغضنی[1]“

ترجمہ: جس نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

اولیاء عظام کے بارے میں ارشاد فرمایا ”من عادلی ولیا فقد اذنتہ بالحرب[2]“

ترجمہ: جو شخص میرے ولی سے عداوت رکھتا ہے میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔

اسی مضمون کو سیدنا نصیر الدین گیلانی یوں فرماتے ہیں۔

فلسفی! تجھ کو عبث دھن ہے اُسے پانے کی
ہو چکا جب کہ تری عقل کا سلطان، معزول
دیدۂ عقل سے دیکھ اُس کو نہ مردِ ناداں!
کہ دلائل سے الجھنا ہے خرد کا معمول
عقل تو اپنی حقیقت سے بھی ناواقف ہے
کیا سمجھ پائے اسے، جو کہ ہے مافوقِ عقول
داعیٔ مشربِ توحید بھی یہ بات سنے
شاید آجائے اسے راس یہ حرفِ معقول
صرف توحید کا شیطان بھی قائل ہے، مگر
شرطِ ایمان ہے محمد ﷺ کی اطاعت، یہ نہ بھول
امر لازم ہے یہ ہر مردِ مسلمان کے لیے
عزت ال (رضی اللہ عنہم) نبی ﷺ حرمت اَتباعِ رسول ﷺ

1: سنن ابن ماجہ، ص:۲۲، رقم ۱۴۳، مطبوعہ دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض

2: بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، ج:۲، ص:۹۶۰، مکتبہ رحمانیہ

صاف باطن ہے تو بھیج ان پہ درود اور سلام
ورنہ میں چھیڑوں گا پھر ذکر ابی ابن سلول
گرمی عشق بلالِ (رضی اللہ عنہم) حبشی پیدا کر
کہ بنے سینہ ترا مہبطِ انوار رسول ﷺ

(دیں ہمہ اوست ص:۵۸)

الحمد للہ اہلسنت والجماعت (کثرہم اللہ) کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ توحید بھی بیان کرتے ہیں اور محبوبانِ خدا سے محبت بھی کرتے ہیں اس لیے دنیا و آخرت کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ ہم انبیاء، شہدا، صدیقین اور صالحین کی جماعت کے ساتھ قائم رہیں۔ آپ صرف اس پر غور کریں جتنے بھی فرقے ہیں ان کے سربراہ مرتے ہیں تو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے اور کئی ایسے کہ جنہوں نے ساری زندگی بظاہر دین کی خدمت کی لیکن ان کی شکلیں بدل گئیں، ایسا کیوں؟ لیکن آپ کو پوری تاریخ کے اندر کہیں بھی نہیں ملے گا کہ کسی سنی کی شکل بدلی ہو اس سے بڑھ کر اہلسنت کے حق ہونے کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟

یہ چیزیں دیکھ کر بدمذہبوں نے اپنے آپ کو بھی سنی کہلانا شروع کر دیا لیکن سنی وہی ہو سکتا ہے جو صحابہ کرام، اہل بیت اطہار، ائمہ مجتہدین، ائمہ اربعہ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، حضرت غوث پاک، حضرت خواجہ غریب نواز، حضرت داتا گنج بخش، حضرت قطب الدین بختیار کاکی، حضرت فرید الدین گنج شکر، حضرت محبوب الٰہی، حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی، حضرت شاہ سلمان تونسوی، حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی، حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی، اعلیٰحضرت گولڑوی، اعلیٰحضرت بریلوی، پیر جماعت علی شاہ، میاں شیر محمد شرقپوری، اور دیگر اولیاء امت کے راستہ پر ہو اور ان سے محبت کرتا ہو۔

میں نے اس کتاب میں عقائد اہلسنت اور ان چند مسائل کو قرآن و حدیث کے حوالے سے لکھا ہے جن کو لے کر غیر مقلدین امت کے اندر انتشار و افتراق پھیلا رہے ہیں۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ جو آدمی انصاف کی نظر سے دیکھے اور پڑھے گا اس کے

ذہن میں کوئی نہ کوئی حق بات ضرور بیٹھ جائے گی۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ اسے پڑھنے سے پہلے ہر قسم کے تعصب سے بالا ہو جائیں اور اسے یہ سمجھ کر نہ پڑھیں کہ یہ ایک سنی نے لکھی ہے بلکہ حق کے متلاشی ہو کر پڑھیں۔

یہ لکھنے کا سبب میرے ایک قریبی عزیز ہیں جن سے کچھ عرصہ پہلے چند باتیں سن کر بڑا دکھ ہوا ان سے بھی میری گزارش ہے کہ اس کتاب کے اندر جو باتیں ہیں اگر وہ حق ہیں تو انہیں ضرور قبول کریں اور غلط گمانی کا محاسبہ کریں یہی آپ کی اور میری بخشش کا سبب بنیں گی۔ یہ محض اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کی خاطر لکھا ہے کیونکہ حق کی پاسداری اور حقیقت کا اعتراف کرنا لازمی ہے۔

آخر میں ان تمام افراد کا بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے کسی بھی اعتبار سے میری معاونت اور حوصلہ افزائی فرمائی خصوصاً جامع المعقول والمنقول استاذی المکرّم جناب علامہ غلام نصیر الدین چشتی گولڑوی مدظلہ العالی (شیخ الحدیث جامع نعیمیہ) کا شکر گزار ہوں جن کی وجہ سے میں اس قابل ہوا۔ علامہ مفتی محمد عارف خورشیدی صاحب مولینا مفتی ضمیر احمد مرتضائی صاحب اور مولینا سید محسن علی شاہ صاحب جنہوں نے کتاب پر نظر ثانی فرمائی اور مولینا اصغر علی رضوی، مولینا نعیم عباس اور حافظ محمد عمران عطاری حفظھم اللہ نے پروف ریڈنگ کی۔ مولینا عبد الرحمٰن جلال پوری اور مولینا محمد افضال احمد جنہوں نے کمپوزنگ کی اللہ تعالیٰ ان تمام افراد اور اراکین ادارہ نصیر المصنفین کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے اور دنیا وآخرت کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کو تمام لوگوں کے لیے فائدہ مند بنائے اور اس کے فوائد کو ہمیشہ رکھے۔

امین بجاہ النبی الکریم الرؤف الرحیم ﷺ

محمد ظفر الرحمٰن ظفرؔ چشتی

۲:۱۲:۱۴۳۱ھ

۹:۱۱:۲۰۱۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید

اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کا زبان سے اقرار اور دل سے اس کی تصدیق ایمان کی بنیادی شرط ہے۔ ہم نے غور کرنا ہے کہ ہمیں لفظ توحید کے مفہوم کا علم ہے یا ویسے ہی توحید کی رٹ لگا کر ایک مسلمان پر شرک اور کفر کا فتوی لگا رہے ہیں۔

توحید باب تفعیل کا مصدر ہے۔ جس کا معنی ہے ''ایک کرنا'' اب اس اعتبار سے مدعیان توحید بتائیں کہ انہوں نے خدا کو ایک کیا ہے؟ وہ اس سے پہلے ایک نہیں تھا؟ نعوذ باللہ۔

لفظ توحید کا مادہ اشتقاق ''وحدت'' ہے اور اسی سے ''واحد'' اور ''احد'' مشتق ہیں جس کا معنی ہے ''ایک''

واحد کی اقسام

اس کی تین اقسام ہیں۔

(۱) واحد جنسی (۲) واحد عددی (۳) واحد نوعی

(۱) واحد جنسی:

جو اپنی جنس کے اعتبار سے ایک ہو۔ جیسے حیوان ایک جنس ہے۔ حالانکہ اللہ تو جنس سے پاک ہے۔ اگر اللہ کو واحد جنسی کہیں گے تو مشرک ہو جائیں گے۔

(۲) واحد عددی:

جس کی تعریف ماہرین ریاضی و ہندسہ یہ کرتے ہیں "الواحد نصف الاثنین" یعنی ایک، دو کے آدھے کو کہتے ہیں۔ تو اگر اللہ کو واحد عددی کہیں گے تو اس سے بھی شرک لازم آتا ہے (کیونکہ اس میں اللہ کو دو کا آدھا تسلیم کیا ہے۔)

(۳) واحد نوعی:

جو اپنی نوع کی جہت سے ایک ہو، جیسے حیوان کی کئی نوعیں ہیں۔ کوئی حیوان ناطق ہے کوئی حیوان مفترس (چیرنے، پھاڑنے والا) کوئی حیوان صاہل (ہنہنانے والا جانور) اگر اللہ کو واحد نوعی کہیں تو بھی مشرک ہو جائیں گے۔ کیونکہ نوع کے لئے افراد کا ہونا ضروری ہے۔

لہذا ہمارا تو عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ واحد جنسی ہے، نہ واحد عددی ہے، اور نہ ہی واحد نوعی ہے بلکہ وہ واحد حقیقی ہے۔ اس کی ذات ازل ہی سے وحدت ذاتی سے متصف ہے اور ہر قسم کے اشتراک، اشتباہ، مماثلت، تعدد، تکثر، تجزی، حلول، امکان، حدوث، ترکیب، تحلیل اور تبعیض سے پاک ہے۔

جس کی قرآن گواہی دیتا ہے۔

''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ''

''اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ''[۱]

توحید کا معنی:

اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات اور صفات میں شریک سے پاک ماننا۔ اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو اللہ تصور کرنا ذات میں شرک ہے۔ علیم، سمیع، بصیر، رحیم وغیرہ اللہ کی صفات ہیں اگر ان صفات میں کسی دوسرے کو شریک ٹھہرائیں گے تو ہم مشرک ہو جائیں۔

اب سوال یہ ہے کہ علم اللہ کی صفت ہے تو اگر کسی دوسرے کے لئے علم ثابت کریں تو کیا یہ شرک ہے؟ سمع و بصر اللہ کی صفات ہیں تو اگر کسی دوسرے کے لئے سننے اور دیکھنے کی صفت ثابت کریں تو کیا یہ بھی شرک ہوگا؟ اللہ کے لئے صفت حیات ثابت ہے تو کسی کے لئے صفت حیات ثابت کریں تو کیا ہم مشرک ہوں گے؟ رحیم اللہ کی صفت ہے، تو

---

[۱]: راہ و رسم منزل ہا، علامہ نصیر الدین نصیر گیلانی: ص: ۸۳

اگر ہم کسی اور کو رحیم کہیں تو کیا یہ شرک ہے؟ غنی اللہ کی صفت ہے اگر ہم کسی اور کو غنی کہیں تو کیا ہم مشرک ہو جائیں گے؟ انعام کرنا اللہ کی صفت ہے اگر ہم کسی اور کے لئے یہ صفت ثابت کریں تو کیا یہ شرک ہے؟ (حالانکہ یہی صفات قرآن میں اللہ نے بندوں کے لئے بھی بیان فرمائی ہیں۔)

جواب:

علم انسانیت کا کمال ہے اور یہی علم اللہ کی صفت ہے لیکن اس میں فرق ہے۔ جو علم اللہ کا ہے وہ بندے کا نہیں۔ اللہ کا علم اپنا ہے اور بندوں کے پاس اسی کا عطا کردہ ہے۔

اسی طرح سمیع و بصیر اللہ کی صفات ہیں کہ فرمایا ''وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ''[۱]

اور انسانوں کے لئے فرمایا ''فَجَعَلْنَهُ سَمِيعًا بَصِيرًا''[۲]

رحیم اللہ کی صفت جیسا کہ فرمایا ''الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ''

اور رسول اللہ ﷺ کے لئے فرمایا ''بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ''[۳]

غنی اللہ کی صفت ہے جیسا کہ فرمایا ''اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ''[۴]

اپنے اور اپنے حبیب ﷺ کے لئے فرمایا ''اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ''[۵]

انعام کرنا اللہ کی صفت ہے جیسا کہ فرمایا ''اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ ..... الی آخرہ''[۶] اور سورۃ الاحزاب میں اپنے اور اپنے محبوب کے لیے فرمایا: اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ۔[۷] ترجمہ: اللہ نے اسے نعمت دی اور آپ نے اسے نعمت دی۔

مُردوں کو زندہ کرنا اللہ کی صفت ہے۔ فرمایا ''كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ

۱: البقرۃ، آیت: ۱۳۷ ۲: الدھر، آیت: ۲ ۳: التوبہ، آیت: ۱۲۸

۴: البقرۃ، آیت: ۲۶۷ ۵: التوبہ، آیت: ۷۴ ۶: النسآء، آیت: ۶۹ ۷: الاحزاب: ۳۷

اَمۡوَاتًا فَاَحۡیَاکُمۡ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡکُمۡ"[1]

اور عیسیٰ علیہ السلام کی بات کو یوں بیان فرمایا" وَاُحۡیِ الۡمَوۡتٰی "[2] ترجمہ: اور میں مُردے زندہ کرتا ہوں۔

اس طرح کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں کہ جو صفات اللہ کی ہیں وہی اللہ نے بندوں کے لئے ذکر فرمائی ہیں۔ طوالت سے بچنے کے لئے ان ہی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

اب ہم اگر اللہ اور بندوں کی صفات کو ایک جیسی مانیں گے تو مشرک ہو جائیں گے اور اگر اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے نہ مانیں تو قرآن کا انکار لازم آتا ہے اور یہ کفر ہے۔ لہذا ہمیں فرق کرنا پڑے گا۔ وہ اس طرح کہ اللہ کی جتنی صفات ہیں وہ ذاتی اور ازلی ہیں اور بندوں کے پاس اس کی عطا کردہ ہیں۔

قابل غور بات:

صفات عطا کرنے کے باوجود ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ نے الوہیت نہ کسی کو دی ہے اور نہ ہی دے گا کیونکہ عطائی چیز مستقل نہیں ہوتی جبکہ الوہیت مستقل ہے اور استقلال کے معنی میں ہے۔ جس آدمی کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ نے کسی کو وصف الوہیت عطا فرما دیا وہ مشرک اور ملحد ہے۔

تو مومن اور مشرک کے درمیان یہی بنیادی فرق ہے کہ مشرک غیر اللہ کے لئے عطائے الوہیت کا قائل ہوتا ہے جبکہ مومن کسی مقرب سے مقرب ترین حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں بھی الوہیت اور صفات ذاتیہ کا قائل نہیں ہوتا۔

---

[1]: البقرۃ، آیت: ۲۸ [2]: آل عمران، آیت: ۴۹

نبوت

جس طرح اللہ کو ایک ماننا اس کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اسلام کی بنیادی اساس ہے اسی طرح عقیدہ رسالت بھی ایمان کی شرط ہے۔ کہ کوئی شخص رسول کو مانے بغیر اللہ کو مان لے تو اس کا ایمان قبول نہیں ہے۔ اگر مقام رسالت کی ادنیٰ سی بے ادبی ہوگئی تو ساری عمر کی نیکیاں ضائع ہو جائیں گی۔ اگر کوئی آدمی کمالات رسالت کو بڑھا کر الوہیت کی سطح پر لے آئے تو وہ ورطۂ شرک میں گر جاتا ہے۔ الحاد اور دہریت نے یہ شبہات پیدا کر دیئے کہ نبی کی کیا ضرورت ہے؟ وصال خدا تو اس کے بغیر بھی ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے کہہ دیا کہ رسول کی حیثیت ایک مرکز ملت اور سربراہ مملکت سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے اس کے اقوال اور افعال قیامت تک باقی رہنے والے قوانین کی اساس (بنیاد) نہیں ہو سکتے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا کہ رسول ہماری طرح ایک عام انسان تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان پر وحی آتی تھی۔ اور اسے اللہ نے چالیس سال بعد نبی بنایا۔

حالانکہ انسان اگرچہ حواس وخرد کا مالک ہے نظر وفکر کی استعداد رکھتا ہے اس کے باوجود اللہ کی ذات وصفات اور اسکے احکام کی معرفت میں قدم قدم پر رسول کا محتاج ہوتا ہے۔ فلاح آخرت تو دور کی بات ہے دنیا میں بھی صالح حیات کا کوئی لمحہ اعانت وحی کے بغیر میسر نہیں ہو سکتا۔

نبی کو اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر بھیجتا ہے۔ فرمایا ”وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً“[۱] ترجمہ: جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔ لہذا نبی زمین پر اللہ کا نائب مطلق اور خلیفہ علی الاطلاق بن کر آتا ہے۔ نبی کا قول اللہ کا قول، نبی کا فعل اللہ کا فعل، اور نبی

---

[۱]: البقرۃ، آیت: ۳۰

کی مرضی اللہ کی مرضی ہوتی ہے۔اسی لئے فرمایا''مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ''[1] ترجمہ: جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کرلی۔اور فرمایا''اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ''[2] ترجمہ: جس نے رسول سے بیعت کی اس نے اللہ سے بیعت کرلی۔

نبی قوانین کا واضع اور احکام کا شارع ہوتا ہے۔اس کا امر اللہ کا امر ہوتا ہے۔اس کی نہی اللہ کی نہی ہوتی ہے۔نبی کے حکم دینے کے بعد امت کے لئے عمل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔اللہ نے فرمایا''وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ''[3] نبی اللہ کی ذات وصفات کا عارف اور کتاب کے احکام و اسرار کا عالم ہوتا ہے۔افراد امت کے ایمان ونفاق اور حسنات وسیئات سے واقف ہوتا ہے۔شہادت اور غیب پر یکساں نظر رکھتا ہے۔اور اسے اللہ پیدائشی طور پر ہی نبوت سے سرفراز کردیتا ہے جیسے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے تین دن کی عمر میں یہ کہہ دیا''اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتَانِیَ الْکِتَابَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا''[4] میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔اور خود حضور علیہ السلام کا فرمان''کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد''[5] کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جس وقت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔تو یہ واضح الفاظ ہیں جن سے پتہ چلا کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے پیدائشی طور پر نبوت سے سرفراز فرمایا ہے۔اس میں کسی''بالقوۃ یا بالفعل'' کے ساتھ تقسیم کرنا گستاخی اور محض امت کے اندر انتشار وافتراق پھیلانا ہے جو کہ ہلاکت کا سبب ہے۔

نبی کی تعریف:

نبی کے معانی: (۱) خبر دینے والا (۲) خبر دیا ہوا (۳) طریق (راستہ) (۴) ایک جگہ سے دوسری جگہ نکلنے والا (۵) ایک جگہ سے دوسری جگہ نکالا ہوا (۶) ہلکی اور پوشیدہ

---

[1]: النسآء، آیت:۸۰ [2]: الفتح، آیت:۱۰ [3]: الاحزاب، آیت:۳۶

[4]: مریم:۳۰ [5]: ترمذی، ابواب المناقب باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ ج:۲،ص:۶۷۹ مطبوعہ رحمانیہ لاہور

آواز سننے والا (۷) ظاہر (۸) رفعت اور بلندی والا

اصطلاح شرع میں ''نبی'' س انسان کو کہتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تبلیغ کے لیے مخلوق کے پاس بھیجا ہو اور اس کی تائید معجزہ سے فرمائی ہو۔

نبی اور رسول میں فرق:

نبی اس کو کہتے ہیں جس پر وحی اترے خواہ صاحب کتاب ہو یا نہ ہو۔ اور رسول وہ ہے جو کتاب اور وحی دونوں کا حامل ہو۔

عصمت انبیاء

کائنات میں انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے سب سے افضل بنایا ہے۔ اس لئے نبی ہر قسم کے گناہ سے معصوم ہوتا ہے۔ کیونکہ فرشتے معصوم ہیں تو انبیاء بدرجہ اتم معصوم ہیں۔ اگر انبیاء میں فسق و فجور ہوتا تو ان کی گواہی قبول نہ ہوتی حالانکہ ان کی گواہی قبول کرنا واجب ہے۔ اسی طرح ان کو اللہ کا قرب حاصل نہ ہوتا۔ حالانکہ اللہ نے فرمایا ''اِنَّھُمْ عِنْدَ نَالَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ''[1] ترجمہ: یہ ہمارے نزدیک اخیار اور پسندیدہ ہیں۔ اور فرمایا ''کل من الصالحین''[2] ترجمہ: یہ سب نیک ہیں۔

---

[1] : ص:۴۷ [2] : الانعام، آیت:۸۵

ختم نبوت

’’ختم‘‘ کا معنی مہر لگانا، اور اصطلاح میں اس کے معنی ہیں، تمام کرنا، ختم کرنا، کہ مہر یا تو مضمون کے آخر پر لگتی ہے۔ جس سے مضمون بند ہو جاتا ہے یا پارسل بند ہونے پر لگتی ہے۔ تاکہ نہ اس میں کوئی چیز داخل ہو سکے اور نہ اس سے خارج ہو۔ اسی لئے تمام ہونے کو ختم کہتے ہیں۔ جیسے کہ قرآن میں ہے ’’خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ[١]‘‘ ترجمہ: اللہ نے ان کفار کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی۔ مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے، ’’فَاِنْ یَّشَاءِ اللّٰہُ یَخْتِمُ عَلٰی قَلْبِکَ[٢]‘‘ ترجمہ: تو اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر رحمت وحفاظت کی مہر لگادے۔

خاتم النبیین کا معنی ہے نبیوں میں آخری نبی۔ تو آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد کسی کو نبوت ملنا ناممکن ہے جو بھی ایسا دعوٰی کرے گا وہ جھوٹا، کذاب اور دجال ہوگا۔ امت مسلمہ پر لازمی ہے کہ وہ اس کا انکار کرے اور اس کے خلاف جہاد کرے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متعدد مقامات پر اس حقیقت کو بیان فرمایا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کو بیان کیا۔ لہذا ختم نبوت کا منکر کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اور مدعی نبوت اور اسے ماننے والے سارے کافر ہیں۔ ان سے پرہیز ضروری ہے اور ان کی تکفیر کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔ امام اعظم نے فرمایا کہ ’’مدعی نبوت سے دلیل مانگنے والا بھی کافر ہے۔‘‘ موجودہ دور میں اس فتنے کا نام قادیانیت اور مرزائیت ہے۔ اس کا بانی مرزا غلام احمد لعین[٣] ہے۔ (و: ١٨٣٩، ١٨٤٠۔ م: ١٩٠٨)

---

١ : البقرۃ، آیت: ٧
٢ : الشوریٰ، آیت: ٢٤

٣ : ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد گھر سے بھاگ گیا۔ ادھر ادھر گھومنے کے بعد سیالکوٹ کچہری میں پندرہ روپے ماہوار پر ملازم ہو گیا۔ وہیں سیالکوٹ میں پادری ہٹلر کے ساتھ بہت روابط پیدا ہو گئے تھے۔ انگریز اپنی حمایت کے لئے کسی کو نبوت کا مدعی بنانا چاہتے تھے۔ برطانی ہند کی سنٹرل انٹیلی جنس کی روایت کے مطابق ڈپٹی کمشنر

قرآن اور ختم نبوت:

قرآن مجید میں اللہ نے ختم نبوت کی حقیقت کو یوں بیان فرمایا "مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ"[۱] ترجمہ: محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور انبیاء میں سے سب سے آخری نبی ہیں۔

ختم نبوت کا معنی بیان کرتے ہوئے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ خاتم النبیین کا معنی محققین نے یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کی نبوت جمع کر کے رسول اللہ ﷺ کے مبارک دل میں رکھ دی اور آپ کے دل کو اس نبوت کے لئے معدن قرار دیا۔ نبوت کو دل میں رکھنے کے بعد مہر لگا دی تا کہ کسی دشمن کو نبوت کی چوری کی توفیق نہ ہو سکے۔ نبوت کی چوری کی طرف اُسے راستہ نہ مل سکے۔ شیطان کے وسوسے اور نہ ہی نفس کی خواہش کو راستہ ملے۔

آپ ﷺ کی ختم رسالت اور ختم نبوت دونوں کے لئے ختم نبوت کے الفاظ بولے

نے چار اشخاص کو انٹرویو کے لئے طلب کیا۔ ان میں سے مرزا نبوت کے لئے نامزد ہوا۔ (تاریخ محاسبہ قادیانیت)

سب سے پہلے الہام اور مقبول الدعا ہونے کا دعویٰ کیا۔ ۱۸۸۹ء میں مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ ۱۸۹۰ء میں پہلے مثیل مسیح اور پھر ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اسی دوران مرزا احمد بیگ کی بیٹی اپنے نکاح میں لینے سے ناکامی ہوئی۔ آخر میں اپنی اصلی منزل تک پہنچنے کے لئے ۱۹۰۰ء میں نبوت کا دعویٰ بھی کر ڈالا۔ پہلے ظلی و بروزی نبی پھر اصلی و حقیقی نبی اور پھر خاتم الانبیاء پھر جامع الصفات اور افضل الانبیاء ہونے کا دعویٰ کیا۔ معاذ اللہ

حضرت مجدد دین وملت، قطب العالم اعلیٰ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمتہ اللہ علیہ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق مرزا قادیانی کا رد کیا اور ۱۸۹۹ء میں نزول مسیح اور حیات مسیح کے موضوع پر "شمس الھدایت" لکھ کر پورے ہندوستان میں پھیلا دی۔ آج تک مرزائی اس کا جواب نہیں دے سکے۔ اور پھر سیف چشتیائی کے ذریعے بہت سارے لوگوں کے ایمان کو بچالیا۔ ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء کو مناظرہ طے کر کے سامنے نہ آکر مرزا نے شکست کو تسلیم کیا۔

۱ : الاحزاب، آیت: ۴۰

جاتے ہیں کیونکہ ایک ہے نبی ہونا اور ایک ہے رسول ہونا، نبوت عام ہے اور رسالت خاص ہے۔ نبی بڑھتا ہے تو رسول بن جاتا ہے اس طرح جو بھی رسول ہوتا ہے وہ نبی ضرور ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو بھی نبی ہو وہ رسول بھی ہو۔ کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا۔

اگر رسول اللہ کی شان بیان کرتے ہوئے خاتم المرسلین کہا جاتا تو یہ وہم پیدا ہوسکتا تھا کہ آپ کے بعد کوئی رسول تو نہیں مگر نبی ہوسکتا ہے۔ تو اللہ نے اس طرح بیان کیا کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوسکتا۔ جب نبوت کی نفی ہوگئی تو رسالت کی خود بخود نفی ہوگئی۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا[1]'' ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور آج میں نے تم پر اپنی نعمت کی انتہاء کر دی اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کر لیا ہے۔

کئی صدیوں سے ہدایت کا سلسلہ جاری تھا اللہ تعالیٰ امتوں کو چھوٹے نصاب دے رہا تھا اللہ کی طرف سے انبیاء کرام آہستہ آہستہ لوگوں کے شعور کو بیدار کر رہے تھے۔ جب نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ کا عہد زریں آیا اور آپ کی امت کی ذہانت بھی سامنے آ گئی تو رب نے فرمایا ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ'' کہ آج میں نے اس جامع نصاب کو مکمل کر دیا ہے۔ میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا ہے اور نعمت کی انتہاء کر دی ہے پہلی امتوں کو اتنا نہیں دیا جتنا تمہیں دیا۔

اس کے علاوہ قرآن کی بیسیوں آیات اس پر شاہد ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ طوالت سے بچنے کے لئے ان ہی پر اکتفاء کرتا ہوں۔ انشاء اللہ اس موضوع پر علیحدہ مستقل کام کریں گے۔

---

[1]: المائدہ، آیت: ۳

حدیث اور ختم نبوت:

خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم انه نبی و انا خاتم النبیین لا نبی بعدی''[1] ترجمہ: میری امت میں تیس نہایت ہی جھوٹے لوگ پیدا ہوں گے ان میں سے ہر کوئی سمجھے گا کہ وہ نبی ہے جب کہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میری اور گذشتہ انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے کسی نے گھر بنایا اور اسے خوب آراستہ و مزین کیا مگر ایک کونے میں ایک پتھر نہ لگایا۔ لوگ آ کر اس کی تعریف کرنے لگے کہ کتنا خوبصورت ہے مگر تعجب سے کہتے کہ یہ ایک پتھر کی جگہ کیوں خالی ہے؟'' آگے آپ نے فرمایا ''فانا اللبنة و انا خاتم النبیین''[2] ترجمہ: کہ میں ہی وہ پتھر ہوں اور خاتم النبیین ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ ہی راوی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مجھے چھ چیزوں کے ذریعے تمام انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے۔ (۱) مجھے جوامع الکلم عطا فرمائے گئے۔ (۲) میری رعب سے مدد کی گئی۔ (۳) میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا۔ (۴) میرے لئے ساری زمین کو پاک اور مسجد بنا دیا گیا۔ (۵) مجھے تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔ (۶) مجھ پر انبیاء کی آمد کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔''[3]

لمحہ فکریہ:

قادیانی اتنی شکست کے باوجود اور اسمبلی سے انہیں کافر قرار دینے کے باوجود موت کے گھاٹ کیوں نہیں اترے۔ اس کا سبب صرف قادیانی نواز لوگ ہیں جو کہ قادیانیوں سے بھی زیادہ اسلام کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ان کی علامات کیا ہیں؟

---

[1]: ابوداود، کتاب الفتن والملاحم، باب اول، رقم: ۴۲۵۱، ج: ۲، ص: ۲۲۳، رحمانیہ

[2]: بخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین، ج: ۱، ص: ۵۰۱، قدیمی

[3]: مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ، ج: ۱، ص: ۱۹۹، قدیمی

جو قادیانی سے میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہیں۔

جو قادیانی سے مصافحہ کرتے ہیں۔

جو قادیانی سے سلام لیتے ہیں۔

جو قادیانی کے گھر جاتے ہیں۔

جو قادیانی کی دوکان سے سودا لیتے ہیں۔

جو قادیانی کو اپنے ہاں ملازم رکھتے ہیں۔

جو قادیانی کے ساتھ بغلگیر ہوتے ہیں۔

جو قادیانیوں کی مصنوعات خریدتے ہیں۔

جن کے گھر خوشی وغمی کے موقعوں پر قادیانی آتے ہیں۔

جو قادیانیوں کے معاملے میں خاموشی اختیار کرتے ہیں۔

جو قادیانی کو تعلیم دیتے ہیں۔

یہ سارے قادیانی نواز ہیں۔ جن کی وجہ سے قادیانی کا وجود قائم ہے۔

آیئے اپنے گریبانوں میں جھانکیں۔ کہ کہیں ہم قادیانی نواز تو نہیں؟ کہیں ہمارے والد صاحب قادیانی نواز تو نہیں؟ ہماری والدہ صاحبہ قادیانی نواز تو نہیں؟ ہمارے بھائی اور بہنیں قادیانی نواز تو نہیں؟ کہیں ہمارے عزیز یا دوست قادیانی نواز تو نہیں؟

خدارا! اس لعنت سے خود بھی بچیئے اور دوسروں کو بھی اس دینی بے غیرتی سے روکیئے۔ قادیانی سے دوستی اللہ کے عذاب کو للکارنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے بے وفائی کرنا ہے اور آپ کی رحمت سے محروم ہونا ہے۔ علماء وخطباء اور ادباء حضرات سے میری یہ التجاء ہے کہ عقیدہ توحید وختم نبوت کو دلائل کے ساتھ عوام کے سامنے بیان کریں۔

علم غیب

ایسی چھپی ہوئی چیز جسے انسان نہ تو آنکھ، ناک، کان اور ہاتھ وغیرہ سے محسوس کر سکے اور نہ ہی بغیر دلیل کے عقل میں آسکے۔

امام غزالی فرماتے ہیں۔ عقل سے آگے ادراک کی ایک اور آنکھ کھلتی ہے۔اس آنکھ سے نبی غیب کے آئندہ ہونے والے واقعات کو اور دوسرے حقائق کو دیکھ لیتا ہے۔ جن تک عقل کی رسائی نہیں ہوئی۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں۔غیب کی دوقسمیں ہیں۔

(۱) غیب اضافی (۲) غیب مطلق

غیب اضافی وہ ہے جو سب کے لئے غیب نہ ہو۔ بعض سے غیب اور بعض پر ظاہر ہو۔جس طرح صورت اور رنگ غیب ہیں لیکن اندھے کے لئے۔ بینا کے لئے نہیں۔اسی طرح جن وملائکہ، جنت ودوزخ غائب ہیں لیکن انسانوں کے لئے فرشتوں کے لئے نہیں۔ اور بھوک و پیاس اور شہوت وغضب فرشتوں کے لئے غیب ہیں۔انسانوں کے لئے نہیں۔ یہ تمام صورتیں غیب اضافی کی ہیں۔

غیب مطلق وہ ہے جو تمام مخلوقات کی نظر سے غیب ہو۔اس غیب پر اللہ صرف اپنے نبی اور رسول کو مطلع کرتا ہے[1]۔غیب جاننا اللہ کی صفت ہے جیسا کہ فرمایا ''عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَةِ'' اب اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اسی طرح اور کوئی بھی ہے تو یہ شرک ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور نبیوں کو غیب کا علم دیا ہے تو یہ عقیدہ عین قرآن کے مطابق ہے۔

قرآن میں جہاں غیر اللہ سے علم غیب کی نفی ہے اس سے مراد ذاتی علم ہے۔یعنی

---

[1] : مقالات سعیدی، غلام رسول سعیدی، ص:۵۵، فرید بک سٹال، لاہور

اللہ کی عطا کے بغیر کسی کے پاس علم نہیں ہے۔ رہا علم غیب کا عطا ہونا تو قرآن کی بیسیوں آیات اس ضمن میں موجود ہیں۔ چند ایک ذکر کرتا ہوں۔ ارشاد فرمایا ''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ''[1] ترجمہ: اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو! تم کو غیب کا علم دے۔ ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے۔

(۲) ''فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ''[2]

ترجمہ: (اللہ) اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(۳) ''وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ''[3] ترجمہ: اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں،

(۴) ''اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝''[4]

ترجمہ: رحمن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔ انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا۔ ما کان وما یکون کا بیان اس کو سکھایا۔

تفسیر معالم التنزیل اور تفسیر حسینی میں ذکر کیا گیا ہے۔ ''خلق الانسان یعنی محمد علیہ السلام علمہ البیان یعنی بیان ما کان و مایکون'' ترجمہ: اللہ نے انسان یعنی محمد رسول اللہ (ﷺ) کو پیدا فرمایا اور ان کو بیان یعنی ساری اگلی پچھلی باتوں کا بیان سکھایا۔

(۵) ''وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ، وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا''[5] ترجمہ: اور تم کو سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

(۶) ''وَكَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ''[6]

ترجمہ: ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو تمام آسمانوں اور زمینوں کی نشانیاں دکھلائیں۔

۱: آل عمران، آیت: ۱۷۰ ۔ ۲: الجن، آیت: ۲۶۔۲۷ ۔ ۳: التکویر، آیت: ۲۴

۴: الرحمٰن، آیت: ۱۔۴ ۔ ۵: النساء، آیت: ۱۱۳ ۔ ۶: الانعام، آیت: ۷۵

امام رازی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تحت الثریٰ سے عرش عظیم تک کوئی حقیقت نہیں تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت ابراہیم کو دکھلا دیا۔[۱]

(۷) ''وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَا سْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ''[۲] ترجمہ: اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی۔ گویا کہ غور کرو اگر میرے پاس خیر ہو اور میں مصیبت سے بچوں تو سمجھ لو کہ مجھے علم غیب بھی ہے۔ اب دیکھیں کہ رسول اللہ کے پاس خیر ہے یا نہیں۔ تو قرآن نے فرمایا ''اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ''[۳] ترجمہ: اے محبوب، ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمایا۔ اور فرمایا ''مَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا''[۴] ترجمہ: جسے حکمت عطا کی گئی تو تحقیق اسے خیر کثیر عطا کی گئی۔ اور آپ ﷺ مصیبت سے بھی محفوظ ہیں ''وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ''[۵]۔ ''اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔'' معلوم ہوا کہ جب آپ ﷺ نے اللہ کی بارگاہ سے کثیر بھلائی جمع کر لی تو ثابت ہوا کہ آپ غیب بھی جانتے ہیں۔

پانچ چیزوں کا علم اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا ''اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَافِی الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا ؕ وَمَاتَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ''[۶] ترجمہ: بے شک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے مینہ، اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا بتانے والا ہے۔

ان ہی کو علوم خمسہ کہتے ہیں۔ قیامت کب ہوگی؟ بارش کب ہوگی؟ عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی؟ کل کیا ہوگا اور کون کہاں مرے گا؟ تو علوم خمسہ کا علم ذاتی طور پر اللہ کے پاس ہے اگر کسی اور کے لئے ان چیزوں کا علم ذاتی طور پر ثابت کریں گے تو مشرک

۱: تفسیر کبیر، ج:۴، ص:۷۳ ۲: الاعراف، آیت،۱۸۸ ۳: الکوثر، آیت:۱
۴: البقرۃ، آیت:۲۶۹ ۵: المائدہ، آیت:۶۷ ۶: لقمان، آیت:۳۴

ہو جائیں گے۔

لیکن تاریخ کے اندر اس طرح کی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ کئی اللہ کے پیاروں نے ان پانچ چیزوں کے بارے میں خبریں دی ہیں۔

(۱) قیامت کا علم:

نبی کریم ﷺ نے قیامت کی علامات بتائیں قیامت کے قریب امام مہدی کا ظہور ہوگا۔[۱] اور فرمایا قیامت سے پہلے دھواں نکلے گا، دجال کا خروج ہوگا "دابۃ الارض کا ظہور ہوگا" سورج مغرب سے طلوع ہوگا، حضرت عیسٰی علیہ السلام کا ظہور ہوگا، یاجوج ماجوج کا ظہور ہوگا، ایک بار مشرق کی زمین دھنسے گی، ایک بار مغرب کی زمین دھنسے گی، ایک بار جزیرۃ العرب کی زمین دھنسے گی، اور آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی، جو لوگوں کو ہانک کر محشر کی طرف لے جائیگی۔[۲] اور آپ نے فرمایا محرم کی دس تاریخ کو قیامت واقع ہوگی[۳] اور یہ بھی فرمایا کہ جمعہ کے دن قیامت آئیگی[۴] اور یہ بھی بتادیا کہ جمعہ کے دن عصر اور مغرب کے درمیان قیامت آئیگی۔[۵]

آپ ﷺ نے قیامت کے وقت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا صرف سَن نہیں بتایا اگر آپ سَن بھی بتا دیتے تو ہمیں پتہ چل جاتا کہ قیامت آنے میں اتنے سال رہ گئے اسطرح قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً"[۶] ترجمہ: قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئیگی۔ اور فرمایا "فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ"[۷] ترجمہ: ان کے سروں پر قیامت اچانک آئیگی اور انکو اسکا شعور بھی نہ ہوگا۔ تو اگر آپ ﷺ قیامت کا سَن بھی بتا دیتے تو پھر قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا اور قرآن جھوٹا ہو جاتا۔ حالانکہ آپ ﷺ قرآن کو سچا ثابت کرنے کیلئے آئے ہیں۔

۱: سنن ابی داود، رقم الحدیث ۴۲۹۰
۲: صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۹۰۱
۳: فضائل الاوقات للبیہقی صفحہ ۴۴۱
۴: صحیح مسلم رقم الحدیث ۸۵۴
۵: الاسماء والصفات للبیہقی صفحہ ۳۸۳
۶: الاعراف آیت ۱۸۷
۷: الشعراء آیت ۲۰۲

(۲) بارش کے نزول کا علم:

حضرت یوسف علیہ السلام نے بارش کے نازل ہونے کی خبر دی جیسا کہ ارشاد ہوا ''ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَفِیْهِ یَعْصِرُوْنَ''[1] ترجمہ: اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں لوگوں پر خوب بارش نازل کی جائے گی اور اس سال انگور کا رس بھی خوب نچوڑیں گے۔

نبی کریم ﷺ نے بھی بارش کے نزول کے بارے میں خبریں دی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تک قیامت واقع نہیں ہوگی جب تک کہ اتنی زیادہ بارش نہ ہو جس سے کوئی پختہ بنا ہوا گھر محفوظ رہے گا اور نہ ہی کوئی خیمہ۔[2]

(۳) ماں کے رحم کا علم:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں نے حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی، حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت دی۔ اور حضرت جبرئیل نے حضرت مریم علیہا السلام کو پاکیزہ لڑکے کی بشارت دی۔ ''قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَهَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا''[3]

ترجمہ: جبریل نے کہا کہ میں صرف آپ کے رب کا فرستادہ ہوں تا کہ آپ کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔

حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ہمارے گھر میں آپ کے اعضاء میں سے ایک عضو ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے اچھا خواب دیکھا ہے۔ عنقریب فاطمہ کے لڑکا پیدا ہوگا اور تم اسے دودھ پلاؤ گی۔ پھر حضرت فاطمہ کے ہاں حضرت حسن یا حضرت حسین پیدا ہوئے اور انہوں نے حضرت قثم بن عباس

---

[1] : یوسف: آیت ۴۹

[2] : مجمع الزوائد، ج: ۷، ص: ۳۳۱، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، مسند احمد، ج: ۲، ص: ۲۶۲

[3] : مریم: ۱۹

کے ساتھ ان کو دودھ پلایا۔[۱]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی خبر دی کہ ان کی بنت خارجہ سے ایک بیٹی پیدا ہوگی۔[۲]

(۴) کل کا علم:

غزوہ خیبر کے موقع پر آپ ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ فرمایا ''لاعطین الرایة غدا یفتح اللہ علی یدیه'' کل میں جھنڈا اس کو عطا کروں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ خیبر کو فتح کرے گا۔[۳]

(۵) کون کہاں مرے گا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''انّ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان یرینا مصارع اهل بدر بالا مس یقول هذا مصرع فلان غداً ان شاء اللہ، قال فقال عمر رضی اللہ عنه فوالذی بعثه بالحق ما اخطئوا الحدود الّتی حدّ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم''[۴] ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر سے ایک دن پہلے ہمیں اہل بدر (کفار) کے گرنے کی جگہیں بتادیں۔ آپ ﷺ فرمارہے تھے انشاء اللہ کل فلاں یہاں گرے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے رسول اللہ ﷺ نے ان کے گرنے کو جو جگہ بتائی تھی وہ اس حد سے ذرا برابر بھی متجاوز نہیں ہوئے۔ (اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کی عطا سے جانتے ہیں کہ کل کیا ہوگا اور کون کہاں مرے گا۔) تو ان کے بارے میں ہم کیا کہیں گے۔ اگر کہتے ہیں کہ وہ بھی ذاتی طور پر جانتے تھے تو اس سے شرک لازم آتا ہے اگر کہیں ایسا نہیں تو یہ

---

[۱]: سنن ابن ماجہ باب الرؤیا، ص: ۲۸۰، قدیمی رقم الحدیث: ۳۹۲۳

[۲]: موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۱۵۰۳

[۳]: صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ج: ۱، ص: ۵۲۵ قدیمی

[۴]: مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب عرض مقعد المیت من الجنۃ او النار علیہ، ج: ۲، ص: ۳۸۷، قدیمی

حقیقت کا انکار ہے۔ تو ہمیں کہنا پڑے گا کہ وہ جتنی بھی خبریں دیتے تھے۔ اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ کے عطا کردہ علم کے مطابق دیتے تھے۔[1]

[1]: تفسیرات احمدیہ، تفسیر روح البیان، تفسیر صاوی اور تفسیر عرائس البیان وغیرہ کے اندر مفسرین کرام نے یہی جواب دیا ہوا ہے۔ تفسیرات احمدیہ، ص: ۶۰۸، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، تفسیر صاوی، الجزء الخامس، ص: ۱۴۰۷، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور

رسول اللہ ﷺ کی بشریت اور نورانیت

اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خیر البشر کا لباس پہنایا تھا اور آپ کو اعلیٰ نورانیت سے منور فرمایا تھا۔ لیکن رسول اللہ بشر ہونے کے باوجود اس سے بلند درجے پر فائز ہیں وہ درجہ نبوت ہے۔ کسی کے بڑے عہدہ کو چھوڑ کر چھوٹے سے پکارنا یہ اس کی توہین ہے۔ مثلاً وزیر اعظم کے لئے ایم۔ این۔ اے ہونا ضروری ہے لیکن ہم اسے ایم۔ این۔ اے کہہ کر نہیں پکارتے کہ یہ اس کی توہین ہے۔ اسی طرح نبی کے لئے بشر ہونا ضروری ہے تو نبی چھوڑ کر اگر ہم اسے بشر کے لقب سے پکاریں تو اس کی توہین ہوگی۔ رسول اللہ کی بشریت کو قرآن نے یوں بیان فرمایا "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ"[1] ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ میں (خدا نہ ہونے میں) تمہاری ہی مثل بشر ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

محمد بشر لا کالبشر　　　یاقوت حجر لا کالحجر

محمد رسول اللہ ﷺ بشر ہیں عام بشر نہیں۔ یاقوت پتھر ہے عام پتھر نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی بشریت پر ہمارا اور مخالفین کا اتفاق ہے وہ بھی آپ ﷺ کو بشر مانتے ہیں اور ہم بھی آپ ﷺ کو بشر مانتے ہیں، جو ان کے دلائل ہیں وہی ہمارے دلائل ہیں۔ لہذا اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری صفت ہے نور:

جو دلائل بشریت مصطفیٰ ﷺ کے ہیں ان کے علاوہ میں صرف قرآن سے نورانیت مصطفیٰ ﷺ پر دلائل پیش کروں گا۔ اور میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ مخالفین کے پاس عدم نورانیت پر کوئی دلیل نہیں ہوگی۔ جو دلیل وہ دیں گے وہ بشریت کے بارے میں ہے۔ اس میں ہمارا اختلاف ہی نہیں ہے۔

---

[1]: الکھف، آیت: ۱۱۰

پہلی دلیل:

اللہ نے ارشاد فرمایا: "قَدْ جَاءَ کُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ" [1] ترجمہ: بے شک آ گیا تم میں اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب۔

تفسیر ابن جریر، تفسیر خازن، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر بیضاوی، تفسیر کبیر، تفسیر جلالین اور تفسیر صاوی میں تمام مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ نور سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔

دوسری دلیل:

اللہ نے ارشاد فرمایا "یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا" [2] ترجمہ: اے نبی (مکرم) ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں) کا گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور ہر وقت ڈرانے والا اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف اس کے اذن سے اور آفتاب روشن کر دینے والا۔

تیسری دلیل:

"اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃِ الزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ" [3] ترجمہ: اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال جیسے ایک طاق اس میں چراغ ہے۔ چراغ فانوس میں ہے۔ فانوس گویا ستارہ ہے موتی جیسا۔ صاحب تفسیر ابن جریر، تفسیر نیشا پوری، تفسیر در منثور، تفسیر خازن، تفسیر معالم التنزیل اور تفسیر تبیان القرآن نے بیان کیا کہ مثل نورہ سے مراد محمد ﷺ ہیں۔

چوتھی دلیل:

"یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ" [4] ترجمہ: چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے اور اللہ پورا

---

[1] : المائدہ، آیت: ۱۵ [2] : الاحزاب: ۴۵۔۴۶ [3] : النور: ۳۵ [4] : الصف: ۸

فرمانے والا ہے اپنے نور کا اگرچہ کافر برا مانیں۔ اسی طرح سورہ توبہ کی آیت نمبر ۳۲ میں بھی ہیں۔

تفسیر درمنثور، تفسیر ابن جریر، تفسیر نسفی اور تفسیر کشاف وغیرہ میں مذکور ہے کہ نور اللہ سے مراد محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔

ان کے علاوہ قرآن کی کئی آیات رسول اللہ ﷺ کی نورانیت پر شاہد ہیں۔

حیات بعد الممات

حیات اور موت کا معنی: علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔

حیات کے متعدد معانی ہیں:

(۱) نباتات میں جو نشو نما کی قوت ہے اسے حیات کہتے ہیں جیسا کہ ''اَنَّ اللّٰہَ یُحْیِی الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا''[۱] ترجمہ: بے شک اللہ ہی زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو زندہ کرتا ہے۔

(۲) حیوانات کے اندر جو احساس اور حرکت بالارادہ کی قوت ہے اسے حیات کہتے ہیں جیسا کہ ''وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَاءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ''[۲] ترجمہ: اور زندہ اور مردوہ برابر نہیں ہوسکتے۔

(۳) عمل اور عقل کی قوت کو حیات کہتے ہیں، ''اَوَمَنْ کَانَ مَیْتاً فَاَحْیَیْنَاہُ وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِی بِہٖ''[۳] ترجمہ: اور کیا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کو روشنی دی جس سے وہ چلتا ہے۔

(۴) دنیاوی تفکرات اور رنج کے اٹھ جانے کو بھی حیات کہتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا ''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ''[۴] ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کردیے گئے ان کو مردہ گمان مت کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔

(۵) حیات اخرویہ ابدیہ جیسا کہ فرمایا ''اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ''[۵] ترجمہ: بے شک آخرت کے گھر کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے۔

۱: الحدید:۱۷ ۲: الفاطر:۲۲ ۳: الانعام:۱۲۲ ۴: آل عمران:۱۶۹

۵: العنکبوت:۶۴

موت کے معانی: موت حیات کے مقابل ہے۔

(۱) انسان، حیوان اور نباتات میں نشو نما کی قوت زائل کرنا۔ جیسا کہ فرمایا ''یُحیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا''[1] ترجمہ: وہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے۔

(۲) حواس کی قوتوں کو زائل کر دینا۔ جیسا کہ حضرت مریم نے دعا مانگی ''یٰلَیْتَنِی مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا''[2] ترجمہ: اے کاش! میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی۔

(۳) قوت عاقلہ کو زائل کرنا۔ جیسا کہ فرمایا ''اِنَّکَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰی''[3] ترجمہ: بے شک آپ مردوں (بے عقل لوگوں) کو نہیں سناتے۔

(۴) ایسا رنج و غم جو زندگی سے مایوس کر دے۔ جس طرح فرمایا ''وَیَاْتِیْہِ الْمَوْتُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَمَا ھُوَ بِمَیِّتٍ''[4] ترجمہ: دوزخی کو ہر جگہ سے موت آتی دکھائی دے گی اور وہ مرنے والا نہیں۔

(۵) قوت حیوانیہ کا زوال اور روح کا جسم سے جدا ہونا۔ ''اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ''[5] ترجمہ: بے شک آپ پر موت آنی ہے اور یقیناً انہیں بھی مرنا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں جو زمین پر چلتا پھرتا ہے وہ زندہ ہے اور جو زمین کے نیچے دفن کر دیا جائے وہ مردہ ہے۔ لیکن اللہ کے نزدیک زندہ وہ ہے جس کی زندگی اللہ کی راہ میں گزرے۔ وہ زمین کے اوپر ہو تب بھی زندہ ہے۔ زمین کے نیچے ہو تب بھی زندہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا ''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِیْنَ بِمَا اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ''[6] ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے۔ ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ دیا ہے وہ اس پر خوش ہیں۔

اور جس آدمی کی زندگی لہو و لعب اور کفر میں گزرے وہ زمین کے اوپر بھی مردہ ہے

---

[1] : الروم:۱۹ [2] : مریم:۲۳ [3] : النمل:۸۰

[4] : ابراہیم:۱۷ [5] : الزمر:۳۰ [6] : آل عمران:۱۶۹۔۱۷۰

اور زمین کے نیچے بھی مردہ ہے۔ جس طرح ارشاد فرمایا ''اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی''[1]

ترجمہ: آپ مردوں کو نہیں سناتے۔

مذکورہ بالا آیت سے پتہ چلا کہ شہید زندہ ہوتا ہے۔

حیات کی ایک قسم برزخی حیات ہے یہ ہر کسی کو حاصل ہے خواہ مومن ہو یا کافر ہو اور برزخ سے مراد موت سے لے کر قیامت تک کا وقت ہے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا ''وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی رَبِّهِمْ یُبْعَثُوْنَ''[2] ترجمہ: اور ان کے آگے اس دن تک ایک حجاب ہے جس دن میں وہ اٹھائے جائیں گے۔

دیکھیں یہ بات حق ہے کہ قبر کے اندر کافروں اور فاسقوں کو عذاب ہوتا ہے اور نیک مسلمانوں کو ثواب ہوتا ہے اور حیات کے بغیر عذاب اور ثواب کا تصور نہیں کیا جاتا ہے۔ (فتدبروا یا اولی الابصار)

---

[1]: النمل: ۸۰ [2]: المومنون: ۱۰۰

نبی ﷺ کی حیات

شہید کو اس لئے زندہ کہا کہ اس کی موت فی سبیل اللہ ہے تو جن کی صرف موت فی سبیل اللہ ہو وہ شہید کہلائیں اور جن کی موت اور حیات سب فی سبیل اللہ ہوں تو وہ مردہ کہلائیں؟ جیسا کہ ارشاد فرمایا "قُلْ اِنَّ صَلوٰتِی وَنُسُکِی وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِینَ[1]" ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ میری نماز اور قربانی میری زندگی اور موت سب کچھ اللہ کے لیے ہیں۔

اللہ نے فرمایا "وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا[2]" ترجمہ: اور رسول تمہارے اوپر گواہ ہو جائے۔

حضور ﷺ تمام مسلمانوں کے اعمال پر گواہ ہیں تو گواہ ہونے کے لئے زندہ ہونا ضروری ہے اگر رسول اللہ زندہ نہیں اور امت کے احوال و اعمال سے آگاہ نہیں ہیں تو قیامت کے دن ان کے اعمال و احوال پر کیسے گواہی دیں گے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا "فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَہِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَہِیْدًا[3]" ترجمہ: اے محبوب! اس وقت تمہاری شان کا کیا عالم ہو گا۔ جب ہر امت سے ہم ایک گواہ لائیں گے اور تم کو ان تمام امتوں پر گواہ بنا کر پیش کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی حیات پر چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں:

حضرت اوس بن اوس بیان کرتے ہیں۔ "قال رسول اللہ ﷺ ان من افضل ایامکم یوم الجمعة، فاکثر و اعلی من الصلوة فیه فان صلو تکم معروصة علی قال قالوا یارسول اللہ و کیف تعرض صلوتنا علیک و قد ارمت فقال ان اللہ عزوجل حرم علی الارض اجساد الانبیاء[4]" ترجمہ: رسول

---

[1]: الانعام:۱۶۲ [2]: البقرة:۱۴۳ [3]: النسآء:۴۱

[4]: ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب تفریع الجمعۃ، ج:۱،ص:۱۵۸، رحمانیہ

اللہ ﷺ نے فرمایا تمام دنوں میں افضل دن جمعہ کا دن ہے۔ اس دن بکثرت مجھ پر درود پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ حضور! آپ پر ہمارا درود کس طرح پیش ہوگا۔ جب کہ وصال کے بعد آپ کا جسم بوسیدہ ہو چکا ہوگا۔ تو رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ نے انبیاء کرام کے اجسام کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔[۱]

دوسری روایت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، "ان رسول اللہ ﷺ قال مامن احدیسلم علی الارداللہ علی روحی حتی اردعلیه السلام" ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی ایسا نہیں جو مجھے سلام کرے مگر اللہ تعالیٰ میری روح (توجہ) کو واپس لوٹا دیتا ہے تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔

غیر مقلدین کی کتابوں سے رسول اللہ ﷺ کی حیات کا تذکرہ:

علامہ شوکانی لکھتے ہیں "انه ﷺ حیی فی قبره بعد موته"[۲] آپ ﷺ وفات کے بعد اپنی قبر انور کے اندر زندہ ہیں۔

میاں نذیر حسین دہلوی لکھتے ہیں اور حضرات انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ خصوصاً آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔[۳]

حضور ﷺ کے قبر مبارک میں زندہ ہونے کا عقیدہ صرف اہلسنت کا ہی نہیں بلکہ دیو بندی، اہل تشیع اور غیر مقلدین کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ اس مسئلہ پر قرآن کی بیسیوں آیات اور احادیث موجود ہیں۔ اختصار کے پیش نظر ان ہی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ امید ہے جو تعصب کی عینک اتار کر پڑھے گا۔ اس پر حق واضح ہو جائے گا۔

---

۱ : ابو داود، کتاب المناسک، باب زیارۃ القبور، ج:۱، ص:۱۹۴، رحمانیہ

۲ : نیل الاوطار، ج:۵، ص:۱۰۱

۳ : فتاویٰ نذیریہ، ج:۲، ص:۲۰، ضمیمہ

اولیاء اللہ کی حیات

اولیاء اللہ کو قبر میں جسمانی حیات حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب میت کو قبر میں رکھ کر قبر بند کر دی جاتی ہے تو دو فرشتے آتے ہیں ایک منکر اور دوسرا نکیر تو یہ دونوں میت سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ ''ما کنت تقول فی هذا الرجل '' تو وہ کہتا ہے'' وهو عبداللہ ورسوله اشهدان لا اله الا الله و ان محمد اعبده ورسوله[1] '' فرشتے کہتے ہیں کہ ہمیں پتہ تھا تو یہی کہے گا۔ پھر اس کی قبر کو ستر در ستر وسیع کر دیا جاتا ہے۔ پھر اس کے لئے قبر میں روشنی کر دی جاتی ہے اور فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ اس دلہن کی طرح سو جا جسے اس کے محبوب شوہر کے سوا کوئی بیدار نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے قبر سے اٹھائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بندہ مومن قیامت تک قبر میں سوتا رہے گا اور سونے کا تعلق زندگی سے ہے یعنی سونا حیات کی فرع ہے۔ اور عام طور پر قبر میں عام مسلمانوں کے اجسام گل سڑ جاتے ہیں تو اس حدیث کا کیا مفہوم ہوگا؟ لہذا اس کو خاص مومنین یعنی اولیاء اللہ پر محمول کیا جائے گا۔ اسی طرح علامہ قرطبی نے روایت بیان کی ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: کہ ثواب کی نیت سے اذان دینے والا شہید کی طرح ہے جو اپنے خون میں لتھڑا ہوا ہوا گر وہ مر گیا تو اس کی قبر میں کیڑے نہیں پڑیں گے۔[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،'' ان رسول الله ﷺ قال ان العبد اذا وضع فی قبره وتولی عنه اصحابه انه ليسمع قرع نعالهم اتاه ملكان فيقعد انه فيقولا ن ما كنت تقول فی هذا الرجل محمد فاما المومن

---

[1]: ترمذی، ابواب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر، ج:۱،ص:۲۳۲، رحمانیہ

[2]: التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ، ص:۱۸۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

فیقول اشھد انہ عبداللہ ورسولہ فیقال لہ انظر الی مقعدک من النار قد ابدلک اللہ بہ مقعدا من الجنۃ فیراھما جمیعا. واما المنافق او الکافر فیقال لہ ما کنت تقول فی ھذا الرجل فیقول لا ادری کنت اقول ما یقول الناس فیقال لا دریت ولا تلیت ویضرب بمطارق من حدید ضربۃ فیصیح صیحۃ یسمعھا من یلیہ غیر الثقلین[۱]" ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بندے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے اصحاب چلے جاتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے اس کے پاس دو فرشتے آ کر اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تم اس شخص محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ وہ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اس سے کہا جائے گا کہ تم جہنم میں اپنے ٹھکانے کو دیکھو اللہ نے تمہارے ٹھکانے کو جنت سے بدل دیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا وہ ان دونوں کو دیکھے گا اور رہا کافر اور منافق تو وہ کہے گا میں نہیں جانتا میں نے جو لوگوں کو کہتے ہوئے سنا وہی کہتا تھا اس سے کہا جائے گا تو نے کچھ جانا نہ کہا پھر اس کے کانوں کے درمیان لوہے کے ہتھوڑے سے ضرب لگائی جائے گی۔ وہ اس سے ایک زور کی چیخ مارے گا جس کو جن اور انسان کے سوا سب سنیں گے۔

---

[۱]: بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، ج:۱، ص:۱۸۳۔۱۸۴، قدیمی

یارسول اللہ ﷺ پکارنا

کسی کو پکارنا یا ندا کرنا چار طرح سے ہو سکتا ہے۔

(۱) زندہ کو قریب سے پکارنا

(۲) زندہ کو دور سے پکارنا

(۳) مردے کو قریب سے پکارنا

(۴) مردے کو دور سے پکارنا

زندہ کو قریب سے پکارنا:

قریب دو طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) نظر آنے والا (۲) نظر نہ آنے والا

زندہ (نظر آنے والے) کو قریب سے پکارنا:

یہ روزمرہ ہماری زندگی کا معمول ہے اور قرآن وحدیث میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ جیسا کہ اللہ نے ارشاد فرمایا: ''یا ایھا النبی انا ارسلنک شاھداً ومبشراً ونذیراً''[۱]

اور فرمایا: ''یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک''[۲]

ایسے ہی حضرت جبریل رسول اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو عرض کی ''یا محمد اخبرنی عن الاسلام''[۳]

زندہ (نظر نہ آنے والے) کو قریب سے پکارنا:

اعتقاداً کسی کو پکارنا مثلاً رجال الغیب یعنی انبیاء اولیاء ملائکہ اور جنات جیسا کہ عتبہ بن غزوان کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی صحرا یا جنگل میں پھنس جاؤ، راستہ نہ ملے یا سواری کا جانور گم ہو جائے تو یوں پکارو! ''اعینو نی یا عباد

۱: الاحزاب: ۴۵ ۲: مائدہ: ۶۷ ۳: مسلم، کتاب الایمان، ج: ۱، ص: ۲۷، قدیمی

اللہ'' اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ بے شک اللہ کے ایسے بندے ہیں جو تمہیں نظر نہیں آتے۔[۱]

زندہ کو دور سے پکارنا:

دور بھی دو طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) نظر آنے والا (۲) نظر نہ آنے والا

زندہ (نظر آنے والے) کو دور سے پکارنا:

یہ بھی ہماری زندگی میں روزمرہ کا معمول ہے۔۔۔۔

اور کبھی اظہار محبت اور ذوق وشوق سے پکارا جاتا ہے جیسا کہ حضرت براء ابن عازب کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لا رہے تھے تو ''**فصعد الرجال و النساء فوق البیت و تفرق الغلمان و الخدم فی الطریق ینادون یا محمد یا رسول اللہ یا محمد یا رسول اللہ**''[۲] کہ مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور خدام راستوں میں پھیل گئے اور وہ نعرے لگا رہے تھے۔ یا محمد، یا رسول اللہ، یا محمد، یا رسول اللہ۔

زندہ (نظر نہ آنے والے) کو دور سے پکارنا:

اس کی قرآن وحدیث اور تاریخ کے اندر مثالیں موجود ہیں جیسا کہ اہل جنت اپنی آنکھوں سے اوجھل دوزخیوں کو پکاریں گے، ''**اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوْا نَعَمْ**''[۳] کہ ہم نے تو اپنے رب کے وعدہ کو حق پایا تو کیا تم نے بھی اس وعدہ کو جو تمہارے رب نے کیا تھا حق پایا؟ وہ کہیں گے ہاں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ساریہ کی قیادت میں ایک لشکر جہاد پر روانہ کیا۔ چند دنوں کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے۔ اتنے میں پکارنے لگے،

۱: حصن حصین، ص:۲۰۲ ۲: صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب فی حدیث الہجرۃ، ج:۲، ص:۴۱۹

۳: اعراف:۴۴

''یا ساریة الجبل '' اے ساریہ پہاڑ کا خیال کرو۔ پھر لشکر سے قاصد آیا تو اس نے بتایا: اے امیر المومنین ہم نے دشمن سے مقابلہ کیا تو اس نے ہمیں شکست دی۔ اچانک ایک آواز آئی اے ساریہ! پہاڑ کا خیال رکھ تو ہم نے اپنی پشتوں کو پہاڑ کی طرف کر کے سہارا لیا تو اللہ نے دشمن کو شکست دی۔ بیہقی اور ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں اور دارمی نے فوائد میں اسے ذکر کیا ہے۔[1]

مردے کو قریب سے پکارنا:

جیسا کہ غزوہ بدر کے موقع پر جب کفار کی لاشوں کو پڑے ہوئے تین دن گزر گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس جا کر ان کو پکار کر فرمایا اے ابو جہل ابن ہشام، اے امیہ بن خلف، اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ! کیا تم نے اپنے رب کے کیے ہوئے وعدہ کو سچا پا لیا؟ بے شک میرے رب نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا میں نے اس کو سچا پایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کو سن کر عرض کیا یہ کیسے سنیں گے اور کس طرح جواب دیں گے حالانکہ یہ مردہ اجسام ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے۔ میں جو کچھ ان سے کہہ رہا ہوں اس کو تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ لیکن یہ جواب دینے پر قادر نہیں ہیں۔[2]

مردے کو دور سے پکارنا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ ان پرندوں کو ذبح کر دیں، ان کے پر نوچ ڈالیں اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کو خلط ملط کر دیں پھر ان منتشر اجزاء کو مختلف پہاڑوں پر ڈال دیں پھر ان کو بلائیں۔ جب حضرت ابراہیم عیہ السلام نے ان کو بلایا تو وہ اجزاء متمیز ہوئے اور ہر جسم کے اجزاء آپس میں مل گئے اور اخیر میں ان کے ساتھ ان کا سر جڑ گیا۔[3]

---

[1] : مشکوۃ، ص: ۵۴۶، مطبوعہ ادارۃ الحرم، لاہور [2] : مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا ج، ج: ۲، ص: ۳۸۷، قدیمی

[3] : انوار التنزل، سورۃ البقرۃ: ۲۶۰، ص: ۶۰، مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع، مصر

ندائے یارسول اللہ ﷺ:

ہماری نداء درج ذیل طریقوں سے آپ ﷺ تک پہنچ سکتی ہے۔

(۱) فرشتے ہماری نداء کو نبی کریم ﷺ تک پہنچادیں۔

(۲) خود نبی کریم ﷺ روضہ اقدس سے اللہ کی عطا کردہ قدرت اور قوت سے سن لیں۔

(۳) کسی کی نداء پر خود رسول اللہ ﷺ ہر جگہ حاضر ہو جائیں۔

فرشتوں کا ہماری نداء کو آپ ﷺ تک پہنچانا:

جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''صلوا علی فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم[۱]'' مجھ پر درود بھیجا کرو کہ تمہارا درود مجھ پر پہنچایا جاتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''قال رسول اللہ ﷺ ان للہ سیاحین یبلغونی عن امتی السلام[۲]'' ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی طرف سے بہت سارے فرشتے زمین میں سیاحت کرتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھ کو پہنچاتے ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ''ان النبی ﷺ قال عرضت علی اعمال امتی حسنھا و سیئھا فو جدت فی محاسن اعمالھا الاذی یماط عن الطریق و وجدت فی مساوی اعمالھا النخامۃ تکون فی المسجد و لا تدفن[۳]'' ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھ پر میری امت کے اچھے اور

---

[۱]: ابوداؤد، کتاب المناسک، باب زیارۃ القبور، ج:۱،ص:۲۹۵، رحمانیہ

[۲]: مصنف عبدالرزاق، باب الصلوۃ علی النبی، ج:۲،ص:۲۱۵، رقم:۳۱۱۶، المستدرک، ج:۲،ص:۴۲۱، صحیح ابن حبان، ج:۱،ص:۔۔، رقم:۹۱۴

[۳]: مسلم، کتاب المساجد، باب النھی عن البصاق فی المسجد فی الصلوۃ وغیرھا، ج:۱،ص:۲۰۷، قدیمی

برے تمام اعمال پیش کئے گئے۔ میں نے امت کے اچھے اعمال میں ''راستہ میں ایذا دینے والی چیز کا ہٹانا'' دیکھا اور برے اعمال میں مسجد میں ''وہ تھوک دیکھا جسے دفن نہ کیا گیا ہو۔

حضرت شداد بن اوس نے فرمایا: ''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من افضل ایا مکم یوم الجمعة فیه خلق آدم و فیه النفخة و فیه الصعقة فاکثر و اعلی من الصلوة فیه فان صلو تکم معروضة علی فقال رجل یا رسول اللہ کیف تعرض صلو تنا علیک و قدارمت یعنی بلیت فقال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء[۱]'' ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے اس میں آدم علیہ السلام کو پیکر تخلیق سے سرفراز کیا گیا، اسی میں پہلا اور دوسرا صور ہوگا اس دن مجھ پر درود زیادہ بھیجا کرو کیونکہ وہ اس دن میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ تو مٹی ہو چکے ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام مقدسہ کا کھانا حرام کر دیا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ جمعہ کا دن تمام ایام سے افضل ہے اور اس کی فضیلت اس لئے ہوئی کہ اس میں آدم علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو جس دن سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی وہ دن عید کیوں نہیں ہو سکتا؟

درود و سلام روزانہ پڑھنے کا حکم ہے لیکن جمعہ کے روز زیادہ پڑھنے کا حکم ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام نماز جمعہ کے بعد باادب کھڑے ہو کر درود و سلام پیش کرتے ہیں۔

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ حضور علیہ السلام زندہ ہیں اور اللہ کی عطاء سے لوگوں کے اعمال سے آگاہ ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱]: سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، باب فضل الجمعۃ، ص: ۶۷، قدیمی

عرضت علی اجور امتی حتی القذاۃ یخرجھاالرجل من المسجد و عرضت علی ذنوب امتی فلم ار ذنبا اعظم من سورۃ القران اوایۃ اوتیھا رجل ثم نسیھا[۱]'' ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر میری امت کے اچھے اعمال پیش کئے گئے یہاں تک کہ وہ کوڑا کرکٹ جسے آدمی مسجد سے نکالتا ہے اور مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کئے گئے تو میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہ پایا کہ کسی کو قرآن کریم کی کوئی سورت یا آیت دی گئی مگر اس آدمی نے اسے بھلا دیا ہو۔

اس سے بھی معلوم ہو کہ رسول اللہ ﷺ سے امتیوں کے نامہ اعمال پوشیدہ نہیں ہے۔اور سب سے بڑا گناہ قرآن حفظ کر کے اسے بھلا دینا ہے۔ میرے وہ بھائی جنہوں نے قرآن کو حفظ کے بعد بھلا دیا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کو سامنے رکھ کر غور کریں۔۔۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میری حیات بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں میں جو نیک عمل دیکھتا ہوں اس پر اللہ کی حمد کرتا ہوں اور میں جو برا عمل دیکھتا ہوں اس پر اللہ سے استغفار کرتا ہوں[۲]۔

رسول اللہ ﷺ کا بذات خود سننا:

اللہ نے اپنے محبوب علیہ السلام کو ایسی قوت سماعت عطا فرمائی ہے کہ جس سے آپ ﷺ قریب و بعید سے برابر سنتے ہیں جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا

''قال رسول اللہ ﷺ انی اری مالا ترون و اسمع مالا تسمعون[۳]''

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں وہ چیز دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں

---

[۱]: سنن ابی داود، کتاب الصلوۃ، باب فی کنس المسجد، ج:۱،ص:۷۸، رحمانیہ

[۲]: البدایہ والنہایہ، ج:۴،ص:۲۸۷، طبع جدید، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ

[۳]: ترمذی، کتاب الزھد، باب فی قول النبی ﷺ لوتعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا، ج:۲،ص:۵۰۶، رحمانیہ

وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا "قال رسول اللہ ﷺ ان ملکا اعطاء اسماع الخلائق کلھاقائم علی قبری الی یوم القیمۃ فما من احدیصلی علی صلوۃ الابلغنیھا"[1] ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک فرشتہ میری قبر پر متعین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر قوت سماعت عطا فرمائی ہے کہ وہ تمام مخلوق کا درود سن لیتا ہے اور وہ سب کے درود مجھے قیامت تک پہنچاتا رہے گا۔

معلوم ہوا کہ جب حضور ﷺ کے دروازے کے ادنی غلام کی سماعت کا یہ عالم ہے کہ وہ ساری دنیا کے درود پڑھنے والوں کا درود روضہ مقدسہ پر کھڑا کھڑا سنتا ہے تو آقا ﷺ کی سماعت کا اندازہ خود لگالیں۔

رسول اللہ ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا:

حاضر و ناظر کے لغوی معنی:

لغت کی کتابوں کے اندر حاضر کا معنی ہے جو پہلے غائب ہو پھر کسی جگہ آئے، حاضر ہونے والا۔[2]

ناظر جو آنکھ کی پتلی سے دیکھے جیسا کہ قاموس اللغات میں مذکور ہے "والناظر العین او النقطۃ السوداء فی العین او البصر نفسہ او عرق بالا نف و فیہ ماء البصر" ترجمہ: ناظر سے مراد آنکھ ہے یا وہ سیاہ نقطہ جو آنکھ میں ہے یا خود قوت بینائی یا ناک کی وہ رگ مراد ہے جس میں بینائی کی رطوبت ہے۔ اور مصباح المنیر میں ہے "والناظر السوادالاصغر من العین الذی یبصربہ الانسان شخصہ" ترجمہ: ناظر آنکھ کی پتلی کو کہتے ہیں جس کے ساتھ انسان ہر ایک چیز کی صورت دیکھتا ہے۔

اب حاضر کے معنی سے معلوم ہوا کہ حاضر وہ ہے جو مکان میں موجود ہو اور ناظر وہ ہے جو آنکھ کی پتلی سے دیکھے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو کسی مکان کے ساتھ مقید کردیں اور کہیں کہ وہ

---

[1] مسند البزار، رقم الحدیث ۳۱۶۲، ۳۱۶۳۔ مجمع الزوائد، ج:۱، ص:۱۶۲
[2] مصباح المنیر، منتہی الادب

کسی جگہ حاضر یا آنکھ کی پتلی سے دیکھتا ہے جس طرح ہم دیکھتے ہیں تو یہ صریح کفر ہو جائے گا اور فقہائے کرام نے اللہ کے لئے حاضر و ناظر کا اطلاق کرنے والے کو کفر سے بچانے کے لئے تاویل کی ہے لہذا بغیر تاویل کے اللہ کو حاضر و ناظر کہنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مخلوق ہی ہو سکتی ہے، لہذا حضور ﷺ کو حاضر و ناظر جاننا اہلسنت کا عقیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کا ذرہ ذرہ آپ کے روبرو کر دیا ہے۔ ساری کائنات آپ کیلئے ایسے ہے جیسے ہتھیلی پر کوئی چیز ہو، جس کی وجہ سے آسمانوں کا کوئی ٹکڑا، زمین کا کوئی ذرہ، سمندروں کا کوئی قطرہ اور درختوں کا کوئی پتہ حضور ﷺ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہاں تک کہ لوگوں کے تمام اعمال کو اللہ کی عطا سے جانتے ہیں۔ جیسا کہ پیچھے روایات ذکر کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن و حدیث کے بہت سارے دلائل سے حضور ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا ''اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ''[1] ترجمہ: نبی (کریم ﷺ) مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ''ان رسول اللہ ﷺ قال ما من مؤمن الا و انا اولی به فی الدنیا و الآخرة اقرء وان شئتم النبی اولیٰ بالمومنین من انفسهم''[2] ترجمہ: بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی ایسا مومن نہیں ہے جس کا دنیا و آخرت میں میں والی نہیں ہوں اگر چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو ''اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ''[3] ترجمہ: نبی (کریم ﷺ) مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا''[4] ترجمہ: اے نبی (مکرم) ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

---

[1] : الاحزاب:۶ [2] : مسلم، کتاب الفرائض، ج:۲، ص:۳۶، قدیمی [3] : الاحزاب:۶

[4] : الاحزاب:۴۵

اس آیت میں شاہد کا معنی ہے گواہ اور گواہ کے لئے ضروری ہے جس واقعہ کی گواہی دے رہا ہے وہ وہاں موجود بھی ہو اور اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھے بھی۔ امام راغب اصفہانی نے مفردات میں لکھا، ''الشهادة والشهود الحضور مع المشاهدة اما بالبصر او البصيرة''[1] ترجمہ: شہادت وہ ہوتی ہے کہ انسان وہاں موجود بھی ہو اور وہ اسے دیکھے بھی خواہ آنکھوں کی بینائی سے یا بصیرت کے نور سے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو جس چیز پر شاہد بنایا اس کا تذکرہ نہیں فرمایا کیونکہ اگر کوئی ایک چیز ذکر کر دی جاتی تو شہادت محصور ہو کر رہ جاتی حالانکہ اس شہادت کو کسی امر پر محصور کرنا مقصود نہیں بلکہ اس کی وسعت کا اظہار مطلوب ہے۔[2]

اور اللہ نے فرمایا ''وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْداً''[3] ترجمہ: اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ایک نبی آئے گا اور اس کے ساتھ ایک شخص ہوگا، اور ایک نبی آئے گا اس کے ساتھ دو شخص ہوں گے، ایک نبی آئے گا اس کے ساتھ زیادہ لوگ ہوں گے، ان سے کہا جائے گا کہ تم نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی؟ وہ کہے گا ہاں! پھر اس کی قوم کو بلایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کیا انہوں نے تم کو تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے نہیں! پھر اس نبی سے کہا جائے گا۔ تمہارے حق میں کون گواہی دے گا؟ وہ کہیں گے (سیدنا) محمد ﷺ کی امت۔ پھر (سیدنا) محمد ﷺ کی امت کو بلایا جائے گا اور کہا جائے گا، کیا انہوں نے تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے ہاں! پھر کہا جائے گا تم کو اس کا کیسے علم ہوا؟ وہ کہیں گے کہ ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں یہ خبر دی تھی کہ سب رسولوں نے تبلیغ کی ہے۔[4]

قابل غور بات ہے کہ امت کی گواہی پر جرح ہوئی کہ تمہیں کیسے پتہ چلا کیونکہ

---

[1]: مفردات [2]: ضیاء القرآن، مذکورہ آیت، ج:۴، ص:۸۰، ضیاء القرآن پبلی کیشنز [3]: البقرۃ:۱۴۳

[4]: سنن کبریٰ للنسائی، ج:۶، ص:۲۹۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۱ھ

امت نے دیکھا نہیں تھا اور حضور ﷺ کی گواہی پر مزید کوئی بات نہیں ہوئی تو اس سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ جس کی گواہی دے رہے ہیں اس پر آپ موجود بھی تھے اور اسے دیکھنے والے بھی تھے۔ تو اس سے آپ ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہو گیا۔ فتدبروا یا اولی الابصار.

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو یہ طاقت عطا فرمائی ہوئی ہے کہ آپ ﷺ جہاں چاہیں جا کر کائنات کا مشاہدہ کریں یا روضہ اقدس کے اندر ہی تشریف فرما کر ساری کائنات کا مشاہدہ کریں جب آپ ﷺ ساری کائنات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو آپ ﷺ کے لئے کسی کی پکار کو سننا دشوار نہیں ہے۔ تو یا رسول اللہ کہہ کر پکارنا ایسے ہی ہوا کہ قریب سے پکارا ہے اور اگر کہیں کہ دور سے ہے تو بھی حرف ندا ''یا'' عربی میں قریب و بعید دونوں کے لئے بولا جاتا ہے۔

حضرت سیدنا علامہ نصیر الدین نصیر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک معترض کے جواب میں الزاماً فرماتے ہیں ''منادِی اور منادٰی میں قرب کے باوجود عام طور پر کچھ بُعد تو ضروری ہے کیونکہ دونوں یک جان نہیں۔ دونوں کا الگ وجود ہے اور حسی لحاظ سے بھی ان میں مغایرت پائی جاتی ہے۔'' قرآن مجید میں ہے ''وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ[1]''
ترجمہ: ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

اب آپ انصاف کیجئے کہ خداوند عالم تو خود کو انسان کے اتنا قریب فرما رہا ہے کہ شہ رگ بھی اس قرب کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ لہذا اتنی قریب ذات کے لئے لفظ ندا کا استعمال کیوں کر کیا جا سکتا ہے؟ گویا آپ خدا کیلئے لفظ یا کا استعمال کر کے اس کے کمال قرب کی نفی کرتے ہوئے آیت محولہ بالا کے مفہوم پر پانی پھیر رہے ہیں۔ اگر ہم حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرح اپنی شہ رگ کے قریب سمجھتے، تو یا رسول اللہ کہنا ضرور شرک ہوتا، مگر آپ کے عقیدے کے مطابق تو حضور ﷺ بعید ہیں۔ لہذا لفظ ''یا'' کو اللہ تعالیٰ کے بجائے رسالت

---

[1]: ق:١٦

مآب ﷺ کے لئے استعمال کرنا زیادہ مناسب ہے۔ اگر آپ ﷺ اقرب من حبل الورید "ہوتے تو بے شک یا رسول اللہ ﷺ کہہ کر آپ کا پکارنا خلاف قاعدہ زبان اور نادرست ہوتا، چونکہ ہم لفظ "یا" کا صحیح و برمحل استعمال کرتے ہیں لہذا ہم مشرک نہیں ہیں۔

آپ اپنے ایمان کی خیر منایئے۔

اپنے گل زاروں کی جا خیر منا بادِ صبا
چھیڑ اچھی نہیں ہم سوختہ سامانوں سے

آپ خدا تعالیٰ کے مذکورہ بالا واضح ارشاد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اسے دور سمجھ کر یا اللہ کہتے ہیں حالانکہ وہ فرماتا ہے کہ میں شہ رگ سے بھی قریب ہوں[1]۔

نحو کی کتابوں میں صراحت سے ہے کہ لفظ "یا"، "ادعو" کے قائم مقام ہے اور "ادعو" کے معنی ہیں، 'میں پکارتا ہوں یا عرض کرتا ہوں' تو یا رسول اللہ کا معنی یہ ہوا کہ میں رحمت دو جہاں ﷺ کو اپنی عاجزانہ حالت کی طرف متوجہ کرتا ہوں یا یاد کرتا ہوں۔ تو اس میں کونسا شرک ہے؟

قرآن مجید کے اندر بہت ساری مثالیں ہیں جہاں لفظ "یا" غیر اللہ کے ساتھ استعمال ہوا ہے جیسے یا جبال، یا ارض، یا حسرۃ، یالیتنی.

اسی طرح نماز میں بصیغہ خطاب وندا اسلام عرض کرنے کی تعلیم دی گئی ہے کہ نماز میں "السلام علیک ایھا النبی" پڑھا جائے، اگر حضور ﷺ کو ندا و خطاب کرنا شرک ہوتا تو کیا اصل الاصول عبادت (نماز) میں اس طرح ندا و خطاب کا حکم دیا جاتا؟ اور پھر سوا چودہ سو سال سے پوری امت مسلمہ کے عمل کو مبنی بر شرک قرار دینا کہاں کی خدمتِ دین اور کہاں کی عقل مندی ہوگی۔

خاص کر دور حاضر کی مادی ایجادات کے ذریعے دوریاں اور مسافتیں سمٹ گئی ہیں اور اس سائنسی دور میں تو لاکھوں میل کا بُعد بھی قرب در آغوش ہے تو پھر قدرت

---

[1] : راہ و رسم منزل ہا، ص:۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، مطبوعہ گولڑہ شریف، طباعۃ ۲۰۰۶ء

خداوندی اور شان رسالت میں کیا کلام؟

اور پھر دنیائے روحانیت میں تو بعد زمانی و مکانی بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔

بقول حافظ شیرازی علیہ الرحمہ۔

بعد منزل نبود در سفر روحانی

مختصر یہ کہ یارسول اللہ کہنا جہاں ارکان دین میں شمار نہیں کیا جا سکتا وہاں اسے ناجائز اور شرک کہنا بھی قرین انصاف اور دانشمندی نہیں، منکرین کو اپنے امام شیخ ابن تیمیہ کی ''الصارم المسلول، ص: ۴۲۲، ۴۲۳ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ کہ ان کے نزدیک یارسول اللہ، یا نبی اللہ کہنا چاہیے۔''[1]

[1]: راہ و رسم منزل ہا، ص: ۲۶۴

بدعت کا بیان

بدعت کا لغوی معنیٰ:

بدع کا لغوی معنی ہے کوئی چیز بغیر نمونہ کے بنانا، کوئی شے ایجاد کرنا اور بدعت وہ چیز ہے جو بغیر کسی سابق مثال کے بنائی جائے (المنجد)

بدعت کا لفظ تین معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

(۱) وہ نیا کام جو رسول اللہ ﷺ کے بعد ایجاد ہوا۔

(۲) ایسا خلاف سنت کام جو سنت کو مٹانے والا ہو۔

(۳) برے عقائد جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے بعد پیدا ہوئے۔

بدعت کا شرعی معنیٰ:

بدعت سے مراد وہ اعتقادات اور اعمال جو حضور ﷺ کی ظاہری حیات میں نہ ہوں بلکہ بعد میں ایجاد ہوئے ہیں۔

بدعت کی اقسام:

بدعت کی دو قسمیں ہیں

(۱) بدعت اعتقادی (۲) بدعت عملی

بدعت اعتقادی:

بدعت اعتقادی سے مراد وہ برے عقائد ہیں۔ جو حضور ﷺ کے بعد اسلام میں ایجاد ہوئے جیسے جبریہ، قدریہ، مرجئہ، معتزلہ، خوارج، روافض، وہابیہ، دیابنہ، پرویزیہ، وغیرہ فرقوں کے باطل عقائد بدعت اعتقادیہ ہیں کیونکہ یہ سب بعد کی پیداوار ہیں۔

بدعت عملی:

ہر وہ کام جو حضور ﷺ کے زمانہ کے بعد ایجاد ہوا ہو خواہ دنیاوی ہو یا دینی ہو خواہ صحابہ کے زمانہ میں ہوا ہو یا اس کے بعد۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رمضان میں

تراویح باجماعت شروع کرانے کے بعد خود صحابہ کرام سے فرماتے ہیں "نعم البدعۃ ھذہ" (باجماعت تراویح) اچھی بدعت ہے۔[1]

بدعت عملی کی اقسام

(۱) بدعت حسنہ (۲) بدعت سیئہ

بدعت حسنہ کی تعریف:

ہر وہ کام جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے بعد ایجاد ہوا ہو اور وہ شریعت کے خلاف نہ ہو یعنی کسی سنت کے خلاف نہ ہو۔

بدعت سیئہ کی تعریف:

ہر وہ نیا کام جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے بعد ایجاد ہوا ہو اور وہ شریعت کے مخالف ہو اور دین کے کسی حکم کو تبدیل کر کے رکھ دے اور اسے اس طرح دین میں داخل کر لیا جائے کہ اس سے یہ سمجھا جائے کہ اس کا کرنا باعث ثواب اور نہ کرنا موجب عذاب ہو۔

بدعت حسنہ کا حکم:

بدعت حسنہ پر عمل کرنا باعث اجر و ثواب ہے جس طرح روایت میں ہے "من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها من غير ان ينقص من اجورهم شی"[2]

ترجمہ: جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا اس کو اس کا ثواب ملے گا اور ان کا بھی جو اس پر عمل کریں گے اور ان کے ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ ہر وہ اچھا کام جو رسول اللہ کے زمانہ میں نہ ہو بعد میں ایجاد ہوا ہو شریعت کے خلاف نہ ہو تو ایسا کام کرنا اور ایجاد کرنا دونوں باعث اجر و ثواب ہیں۔

---

[1]: بخاری، کتاب الصوم، باب فضل من قام رمضان، ج:۱،ص:۲۶۹، قدیمی

[2]: ☆ مشکوۃ، کتاب العلم، فصل اول، ص:۳۳، مطبوعہ، ادارۃ الحرم لاہور

☆ ابوداؤد طیالسی، الجزء الثانی، ص:۹۳، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی

سنن دارمی میں روایت ہے ”عن ابی سلمة ان النبی ﷺ سئل عن الامر یحدث لیس فی کتاب ولا سنة فقال ینظر فیه العابدون من المئومنین[1]“۔

ترجمہ: حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسے نئے کام جن کی وضاحت کتاب وسنت میں نہ ہو ان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس امر محدث کے بارے میں عابدین، مومنین کو غور وفکر کرنا چاہیے۔

ایک روایت کے اندر ارشاد فرمایا: ”ماراه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن[2]“

ترجمہ: جس کام کا مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہے۔

ان روایات سے پتہ چلا کہ ہر نئے کام کو برا سمجھ کر اسے رد نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کے بارے میں مجتہدین اور اہل اللہ فیصلہ کریں۔ لہذا ہر نئے کام کو بدعت ضلالہ کہنا سراسر حماقت ہے کیونکہ وہ نیا کام جو شریعت مطہرہ اور سنت کے خلاف نہیں تو اس پر عمل کرنا بعض صورتوں میں مستحب اور بعض صورتوں میں ضروری ہے جیسا کہ بعد میں تفصیل موجود ہے۔

بدعت حسنہ کی اقسام:

(۱) بدعت جائز (۲) بدعت مستحب (۳) بدعت واجب

بدعت جائز: ہر وہ نیا کام جس کی شریعت میں ممانعت نہ ہو اور بغیر کسی نیت خیر کے کیا جائے جیسے دور جدید کی سہولتوں سے فائدہ اٹھانا، مختلف اقسام کے کھانے کھانا، نئی نئی اقسام کے کپڑے پہننا وغیرہ وغیرہ۔ یہ کام بدعت مباح اور جائز ہے اور اس پر ثواب نہ عذاب۔

بدعت مستحبہ: ہر وہ نیا کام جس کی شریعت میں ممانعت نہ ہو اور اسے عام

---

[1] سنن دارمی، باب التورع عن الجواب فی مالیس فیہ کتاب ولاسنۃ، ج:۱، ص:۵۴

[2] موطا امام محمد، باب قیام شهر رمضان، ص:۱۴۴، مطبوعہ المصباح

مسلمان کارِثواب سمجھتے ہوں یا کوئی آدمی اُسے نیت خیر سے کرے۔ جیسے دینی مدارس کا قیام، اسکولوں، فیکٹریوں اور ہسپتالوں کا قیام، محفل میلاد اور فاتحہ کی محافل کا انعقاد کرنا اس کے کرنے والے کو ثواب حاصل ہوگا اور نہ کرنے والا گنہگار نہیں ہوگا۔

بدعت واجب: ہر وہ نیا کام جس کی شریعت میں ممانعت نہ ہو اور اسے ترک کرنے سے دین میں حرج واقع ہو جیسے موجودہ مروج طریقوں سے علوم دینیہ کی تحصیل، باطل فرقوں کا رد، قرآن مجید پر اعراب لگانا یہ سارے کام بدعت ہیں لیکن ان کا کرنا ضروری ہے۔

بدعت سیئہ کی اقسام:

(۱) بدعت مکروہ تنزیہی (۲) بدعت مکروہ تحریمی (۳) بدعت حرام

بدعت مکروہ تنزیہی: ہر وہ نیا کام جس سے کوئی سنت غیر موکدہ چھوٹ جائے۔

بدعت مکروہ تحریمی: ہر وہ نیا کام جس سے کوئی سنت مؤکدہ چھوٹ جائے۔

بدعت حرام: ہر وہ نیا کام جس سے کوئی واجب چھوٹ جائے جو واجب کو مٹانے والی ہو۔

پتہ چلا کہ حدیث کے اندر جو ''کل بدعۃ ضلالۃ'' (ہر بدعت گمراہی ہے) آیا ہے اس سے مراد بدعت سیئہ مراد ہے اس واسطے بدعت ضلالہ وہی ہے جو سنت کے مطابق نہ ہو یا ایسے برے عقائد جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے بعد پیدا ہوئے جیسے یہ کہنا کہ اللہ جھوٹ پر قادر ہے، رسول اللہ ﷺ کا خیال نماز میں بیل، گدھے کے خیال سے بدتر ہے، رسول اللہ ﷺ عام انسانوں کی طرح ہیں، آپ ﷺ غیب سے جاہل ہیں یہ تمام عقائد رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے بعد پیدا ہوئے اور یہ بدعت ضلالہ ہیں۔

اگر کہیں کہ ہر نیا کام بدعت ضلالہ ہے تو پھر دینی مدارس کا قیام، قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لیے دوسرے علوم پڑھنا، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل

کرنا، جلسے منعقد کرنا، لاؤڈ سپیکر، ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے دین کی تبلیغ کرنا، حدیث کتابی شکل میں، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، ریل گاڑیوں، بسوں، موٹروں اور ہوائی جہازوں پر سوار ہونا اور دور جدید کی بیشتر چیزوں کا استعمال کیسے صحیح ہوگا؟؟ حالانکہ ہر شخص ان چیزوں کے استعمال پر مجبور ہے۔ فتدبروا یااولی الالباب۔

مَنْ سنّ فی الاسلام

سنة حسنة فله اجرها

(مشکوٰۃ:۳۳)

تقلید کا بیان

تقلید کا معنیٰ: قلّد یقلّد تقلیدا بمعنی گلے میں ہار یا پٹہ ڈالنا

تقلید کا شرعی معنی: کسی کے قول وفعل کو اپنے اوپر لازم شرعی جاننا یہ سمجھ کر کہ اس کا کلام یا کام ہمارے لئے حجت ہے کیونکہ وہ اہل تحقیق میں سے ہے۔ بغیر دلائل شرعیہ کی طرف توجہ کرنے کے[1]

اب حضور ﷺ کی اطاعت تقلید نہیں کہلائے گی۔ کیونکہ آپ کا ہر قول وفعل دلیل شرعی ہے حالانکہ تقلید میں دلیل شرعی کو نہیں دیکھا جاتا۔ تو ہم رسول اللہ ﷺ کے امتی کہلائیں گے مقلّد نہیں۔

اسی طرح ایک عالم کی اطاعت بھی تقلید نہیں کہلائے گی کیونکہ اس کی بات یا کام کو کوئی دلیل نہیں بناتا۔

لیکن امام اعظم اگر قرآن وحدیث یا اجماع کو دیکھ کر مسئلہ بیان کردیں تب بھی قبول اور اگر اپنے قیاس سے حکم فرمائیں تب بھی قبول ہوگا۔

تقلید کی اقسام:

(۱) تقلید شرعی (۲) تقلید غیر شرعی

تقلید شرعی:

شریعت کے احکام میں کسی کی پیروی کرنا جیسے نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کے مسائل

تقلید غیر شرعی:

دنیاوی کاموں میں کسی کی پیروی کرنا۔ جیسے طب میں بوعلی سینا کی پیروی

تقلید شرعی کا حکم:

مسائل شرعیہ تین طرح کے ہیں۔

---

[1]: کتاب التعریفات للجرجانی، ص: ۴۷، ۴۸، رحمانیہ

(۱) عقائد (۲) صریح احکام: وہ احکام جو صراحۃً قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔ (۳) احکام مستنبطہ: وہ احکام جو صراحۃً قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہوں بلکہ اجتہاد و استنباط کر کے نکالے جائیں۔

عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں ہے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے توحید و رسالت کو امام ابو حنیفہ کے کہنے پر مانا ہے بلکہ توحید و رسالت کے دلائل سے مانا ہے۔

دوسری قسم ہے صریح احکام: صریح احکام میں بھی کسی کی تقلید جائز نہیں ہے۔ جیسے پانچ نمازیں۔ ان کی رکعتیں، تیس روزے، ان میں کھانے پینے کا حرام ہونا، حج اور زکوۃ، یہ وہ مسائل ہیں جن کا ثبوت صراحۃً ہے۔

تیسری قسم احکام مستنبطہ ہیں۔ یعنی جو مسائل قرآن و حدیث یا اجماع امت سے اجتہاد و استنباط کر کے نکالے جائیں ان میں غیر مجتہد پر تقلید کرنا واجب ہے۔

تقلید کا واجب ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

سورۃ فاتحہ میں ارشاد فرمایا: ''اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ'' ترجمہ: ہم کو سیدھے راستہ پر چلا، راستہ ان کا جن پر تو نے انعام کیا۔

تو اس سے پتہ چلا کہ صراط مستقیم وہ ہے جس پر نیک لوگ چلے ہوں اور تمام مفسرین، محدثین، فقہا، غوث و قطب و ابدال اور اولیاء اللہ۔ اللہ کے نیک بندے ہیں اور وہ سب ہی مقلد گزرے تو تقلید ہی سیدھا راستہ ہوا۔

دیکھیں کوئی بھی محدث و مفسر اور ولی غیر مقلد نہیں گزرا۔

جو آدمی مجتہد نہ ہو اور تقلید بھی نہ کرے وہ غیر مقلد ہے۔ جو مجتہد ہو کر تقلید نہ کرے وہ غیر مقلد نہیں ہے۔

دوسری دلیل: ''لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا''[1] ترجمہ: اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔

---

[1] : البقرۃ:٢٨٦

تو پتہ چلا کہ طاقت سے زیادہ کام کی اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا ہے۔ تو جو شخص اجتہاد نہ کر سکے اور قرآن وحدیث سے مسائل نہ نکال سکے تو اس سے تقلید نہ کرانا اور استنباط کرانا طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا ہے حالانکہ اللہ کی یہ منشاء نہیں ہے۔

تیسری دلیل: ''فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ''[1] ترجمہ: تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تم کو علم نہیں ہے۔

چوتھی دلیل: ''وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ''[2] ترجمہ: اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔

پانچویں دلیل: ''وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ''[3] ترجمہ: اور اگر اس میں وہ رسول اور امر والے (صاحب حکم) لوگوں کی طرف رجوع کرتے تو ضرور ان میں سے اس کی حقیقت جان لیتے وہ جو استنباط کرتے ہیں۔

چھٹی دلیل: ''يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ''[4] ترجمہ: جس دن ہر جماعت کو ہم اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔

تفسیر روح البیان میں اس آیت کے تحت بیان ہے کہ ''او مقدم فی الدین فیقال یا حنفی یا شافعی''[5] ترجمہ: یا امام دینی پیشوا ہے تو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ اے حنفی، اے شافعی۔

معلوم ہوا کہ ہر انسان کو اس کے امام کے ساتھ بلایا جائے گا۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''ان النبی ﷺ قال الدین النصیحة قلنا لمن قال لله و لكتابه ولرسوله ولائمة المسلمين و عامتهم''[6]

۱: انبیاء:۷ ۲: لقمان:۱۵ ۳: النسآء:۸۳ ۴: الاسراء:۷۱

۵: روح البیان، ج:۵، ص:۱۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۶: مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الدین النصیحہ، ج:۱، ص:۵۴، قدیمی

ترجمہ: کہ نبی ﷺ نے فرمایا دین خیر خواہی ہے ہم نے کہا کس کی؟ فرمایا اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، مسلمانوں کے اماموں کی اور عامہ مومنین کی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "**سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من خلع یدامن طاعة لقی اللہ یوم القیامة لا حجة له ومن مات ولیس فی عنقه بَیعة مات میتة جاهلیة**"[1] ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا جس شخص نے (امام کی) اطاعت سے ہاتھ نکال لیا وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی۔ اور جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہیں تھی وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "**من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یریدان یشق عصاکم اویفرق جماعتکم فاقتلوہ**"[2] ترجمہ: جو تمہارے پاس آئے حالانکہ تم ایک شخص کی اطاعت پر متفق ہو وہ چاہتا ہو کہ تمہاری لاٹھی توڑ دے یا تمہاری جماعت کو متفرق کر دے تو اسکو قتل کر دو۔

اب عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "**قال رسول اللہ ﷺ اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذشذفی النار**"[3] ترجمہ: بڑی جماعت کی پیروی کرو کیونکہ جو مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ رہا وہ علیحدہ کر کے جہنم میں بھیجا جائے گا۔

تقلید غیر شرعی کا حکم:

تقلید غیر شرعی اگر شریعت کے خلاف ہے تو حرام ہے اگر شریعت کے خلاف نہ ہو تو جائز ہے۔ تو جو تقلید شریعت کے خلاف ہو وہ حرام ہے اسی کی قرآن نے مذمت کی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔ "**وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ**

---

[1]: مسلم، کتاب الامارة، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین، ج:۲، ص:۱۲۸، قدیمی

[2]: مشکوٰة، کتاب الامارة، بحوالہ مسلم، فصل اول، ص:۳۲۰، ادارة الحرم لاہور

[3]: مشکوٰة، بحوالہ ابن ماجہ، انس، باب الاعتصام بالکتاب والسنت، ص:۳۰، مطبوعہ، ادارة الحرم

اَمْرُهُ فُرُطاً[۱]'' ترجمہ: اوراس کی اطاعت نہ کروجس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا اوروہ اپنی خواہش کے پیچھے چلااوراسکا کام حد سے گزرگیا۔

تقلید کس پرواجب ہے؟:

ایک ہوتا ہے مجتہداورایک غیر مجتہد۔

مجتہدوہ ہوتا ہے جس کے اندراتنی قابلیت ہوکہ قرآن کے اشارات ورموز سمجھ سکےاوراس کے مقاصد کوسمجھ سکےاس سے مسائل نکال سکے۔ناسخ ومنسوخ کامکمل علم رکھتاہو حدیث، اصول حدیث، جرح وتعدیل،علم اسماءالرجال اور حدیث کے باقی تمام علوم پر مہارت تامہ کے ساتھ ساتھ علم صرف ونحو، بلاغت ومعانی وبیان وغیرہ میں مکمل مہارت رکھتا ہو۔تمام آیتوں اوراحادیث پراس کی نظرہواورخوش فہم اورذہین وفطین ہو۔اور جواس درجہ پر نہ ہووہ غیرمجتہد ہےتو مجتہد کے لئے تقلید منع ہے جبکہ غیر مجتہد کے لئے تقلید واجب ہے۔

فائدہ:

اگرتقلید ضروری نہیں تھی تو امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداوٗد، ابن ماجہ، امام نسائی، حضرت غوث اعظم، داتا علی ہجویری، خواجہ غریب نوازمعین الدین چشتی اجمیری، امام رازی، امام غزالی، وغیرہ جیسے لوگوں نے تقلید کیوں کی؟ اگرتقلید حرام یا شرک ہوتی تومذکورہ تمام لوگ کبھی بھی ایسانہ کرتے۔

رہاصحابہ کرام نے تقلید کیوں نہیں کی؟ تو صحابہ تمام کے تمام رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے باقی مسلمانوں کے امام وپیشواہیں کیونکہ آئمہ دین امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اورامام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم ان ہی کی پیروی کرتے ہیں لہٰذا صحابہ کوکسی کی تقلید کی ضرورت نہیں تھی۔

---

[۱] : کہف: ۲۸

نماز کے مسائل

نماز کے اوقات اور حدیث

فجر کی نماز کا مستحب وقت:

فجر کا وقت طلوع فجر سے شروع ہو جاتا ہے اور طلوع آفتاب سے کچھ دیر پہلے تک رہتا ہے۔ اس طرح اس کے دو حصے ہو جاتے ہیں۔ پہلا حصہ عربی میں اس کو ''غلس'' کہتے ہیں اور دوسرے حصہ کو ''اسفار'' کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اکثر اسفار یعنی روشنی میں فجر کی نماز پڑھتے تھے اور اسکی طرف ترغیب دلائی۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ''**قال رسول اللہ ﷺ اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر**''[1] ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فجر کی نماز کو خوب روشنی ہونے پر پڑھو کہ اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

''**قال رسول اللہ ﷺ یا بلال نور بصلوۃ الصبح حتی یبصر القوم مواقع نبلھم من الاسفار**''[2] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بلال! صبح کی نماز اجالے تک موخر کر یہاں تک کہ لوگ اجالے کی وجہ سے اپنے تیر گرنے کے مقامات دیکھ سکیں۔

نماز عصر اور فجر کے بعد نوافل پڑھنا منع ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''**سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لاصلوۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولاصلوۃ بعد العصر حتی تغیب الشمس**''[3] ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے صبح کی نماز

---

[1]: ترمذی، ابواب الصلوۃ باب ماجاء فی الاسفار بالفجر، ج:۱، ص:۱۳۷، رحمانیہ

[2]: المعجم الکبیر للطبرانی، ج:۴، ص:۲۷۷، المطبع الفاروق، دھلی

[3]: بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ، باب لاتحری الصلوۃ قبل غروب الشمس، ج:۱، ص:۸۳، قدیمی

کے بعد سورج کے بلند ہونے تک اور کوئی نماز نہیں ہے اور عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک اور کوئی نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

نماز ظہر کا مسنون وقت:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ''اذن مؤذن النبی ﷺ الظهر فقال ابرد، ابرد اوقال انتظر انتظر وقال شدة الحرمن فيح جهنم فاذا اشتد الحرّ فابر دواعن الصلوة حتى راينا فئى التلول''[1] نبی ﷺ کے موذن نے آذان دینا چاہی تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: وقت کو ٹھنڈا ہونے دو، ٹھنڈا ہونے دو، یا فرمایا: مزید انتظار کرو، مزید انتظار کرو۔ کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے اثرات میں سے ہے لہذا گرمی جب شدت اختیار کر جائے تو وقت ٹھنڈا ہونے پر نماز پڑھا کرو۔ (چنانچہ ہم انتظار کرتے رہے) یہاں تک کہ ہمیں ٹیلوں کے سائے بھی نظر آنے لگے۔

عصر کا مسنون وقت:

جب ہر چیز کا سایہ (اصل سایہ کے علاوہ) دوگنا ہو جائے تو عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور غروب آفتاب تک رہتا ہے۔ لیکن جب سورج نیچا اور زرد ہو جائے تو اس وقت نماز عصر کراہت کے ساتھ جائز ہوتی ہے، حضرت علی ابن شیبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''قدمنا على رسول الله ﷺ المدينة فكان يئوخر العصر مادامت الشمس بيضاء نقية''[2] جب ہم مدینہ منورہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ کا معمول یہ تھا کہ آپ عصر کی نماز کو موخر فرماتے جب تک کہ سورج صاف روشن رہتا۔

مغرب سے پہلے نوافل کا حکم:

غروب آفتاب کے بعد اور مغرب سے پہلے نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''بين كل اذانين صلوة ان شاء الا المغرب''[3]

---

[1]: بخاری، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب الابراد بالظہر فی شدۃ الحر، ج:۱،ص:۷۶، قدیمی

[2]: ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب فی وقت العصر، ج:۱،ص:۷۰، رحمانیہ

[3]: مجمع الزوائد، کتاب الصلوۃ باب جامع فیما یصلی قبل الصلوۃ وبعدھا، ج:۲،ص:۲۳۱ دار الکتاب العربی بیروت

ترجمہ: ہر اذان اور اقامت کے درمیان نماز پڑھ سکتے ہیں سوائے مغرب کے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مغرب سے پہلے کی دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا "ما رأیت احدا علی عهد رسول الله ﷺ یصلیها"[1]

ترجمہ: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کسی کو یہ پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

"عن حماد قال سألت ابراهيم عن الصلوة قبل المغرب فنهانی عنها وقال ان النبی ﷺ وابابکر وعمر لم یصلوها"[2]

ترجمہ: حضرت حماد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم نخعی سے مغرب سے پہلے نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے مجھے اس سے منع کیا اور فرمایا کہ نبی ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما یہ نہیں پڑھتے تھے۔

جس روایت میں دو رکعتوں کا ثبوت ملتا ہے اسے ابتداء اسلام پر محمول کیا جائے گا۔

اقامت اور حدیث:

جس طرح آذان کے کلمات دو دو مرتبہ ہیں اسی طرح اقامت کے کلمات بھی دو دو مرتبہ ہیں۔ شروع میں حضرت بلال اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ کہتے تھے لیکن جب یہ حکم منسوخ ہو گیا تو آخری عمر تک اقامت کے کلمات دو دو دفعہ کہا کرتے تھے۔

حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، "وعلمنی رسول الله ﷺ الاقامة سبع عشرة کلمة"[3] مجھے خود رسول اللہ ﷺ نے اقامت کے سترہ کلمات سکھائے۔

---

[1] : ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ قبل المغرب، ج:۱، ص:۱۹۰، رحمانیہ

[2] : کتاب الآثار، ص:۳۲، مطبوعہ، مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

[3] : ☆ ترمذی، ابواب الصلوۃ، باب ماجاء فی الترجیع فی الاذان، ج:۱، ص:۱۴۶، رحمانیہ

☆ طحاوی، کتاب الصلوۃ، باب الاقامۃ کیف ہی، ج:۱، ص:۱۰۲، حقانیہ ملتان

اسی طرح حضرت عبداللہ بن زید نے خواب میں فرشتے سے آذان واقامت سنی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تائید فرمائی تھی اس حدیث کے طرف میں یہ الفاظ موجود ہیں، "فاذن مثنی مثنی و اقام مثنی مثنی"[1] کہ آذان دودو کلمے کہے اور اقامت دودو کلمے کہے۔

ابوداؤد کے اندر بھی طویل حدیث نقل کی ہے اور اس میں بھی "علمنی الاقامة مرتین مرتین"[2] کے الفاظ موجود ہیں"۔

دوران اقامت امام اور نمازی کب کھڑے ہوں؟

جب مؤذن اقامت کہے تو امام اور مقتدی شروع میں کھڑے ہوں یا حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں یہ مسئلہ اصل میں امام پر موقوف ہے کہ اگر امام محراب میں موجود نہیں ہے تو لوگ اس وقت تک نہ کھڑے ہوں جب تک کہ امام کو دیکھ نہ لیں تو جس صف کے پاس سے امام گزرے وہ لوگ کھڑے ہو جائیں۔ اگر امام محراب یا مصلئ امامت پر موجود ہو تو امام کی پیروی کی جائے گی وہ جس وقت کھڑا ہو تو مقتدی بھی کھڑے ہو جائیں۔ جیسا کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں "قال رسول اللہ ﷺ اذا اقیمت الصلوٰة فلا تقوموا حتی ترونی" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب نماز کی اقامت کہی جائے تو تم اس وقت تک نہ کھڑے ہو جب تک کہ تم مجھے دیکھ نہ لو۔[3]

مستحب یہ ہے کہ جب اقامت کہنے والا حی علی الفلاح کہے تو امام اور نمازی کھڑے ہو جائیں۔

1: مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۱،ص:۲۰۶۔ سنن بیہقی، باب ماروی فی تثنیۃ الاذان والاقامۃ، ج:۱،ص:۴۲۰

2: ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب کیف الاذان، ج:۱،ص:۸۴، رحمانیہ

3: بخاری، کتاب الاذان، باب متی یقوم الناس اذا رأوا الامام عند الاقامۃ، ج:۱،ص:۸۸، قدیمی

ائمہ کے مذاہب:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب:

آپ نے فرمایا جب موذن "حی علی الفلاح" کہے تو اس وقت لوگ صفوں میں کھڑے ہوں اور جب موذن "قد قامت الصلوۃ" کہے تو امام اللہ اکبر کہے۔ امام محمد علیہ الرحمۃ کا بھی یہی قول ہے۔[1]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب:

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جب تک موذن اقامت سے فارغ نہ ہو اس وقت تک کسی کا نہ کھڑا ہونا مستحب ہے۔[2]

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب:

جب موذن قد قامت الصلوۃ کہے تو اس وقت کھڑے ہونا مستحب ہے۔[3]

علامہ طحطاوی لکھتے ہیں۔

جب موذن نے اقامت شروع کی اور اس وقت کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے ہو کر انتظار نہ کرے کیونکہ یہ مکروہ ہے۔ اور فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ اقامت کے شروع میں کھڑا ہونا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔[4]

اقامت کے وقت کھڑے ہونے کے متعلق مختلف روایات ہیں اور جو شروع میں کھڑے ہونے والی روایت ہے وہ پہلے کی ہے اور بعد میں فرمایا کہ "لا تقوموا حتی ترونی" اس واسطے اس مسئلہ پر بجائے تشدد کے رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کیا جائے تو اس میں بھلائی ہے۔ ضد اور تعصب کی وجہ سے شروع یا حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو

---

[1]: عمدۃ القاری شرح بخاری، کتاب الاذان، ج ۵، ص: ۱۵۳، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ

[2]: شرح مسلم للنووی، کتاب المساجد، باب متی یقوم الناس للصلوۃ، ج: ۱، ص: ۲۲۱، قدیمی

[3]: المغنی لابن قدامہ حنبلی، ج: ۱، ص: ۴۷۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

[4]: حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل آداب الصلوۃ، ج: ۱، ص: ۲۷۸، مطبوعہ مکتبۃ الغوثیہ

واجب کا درجہ نہ دیا جائے کیونکہ یہ غلو ہے جو کہ ہلاکت کا سبب ہے۔

عصر حاضر کے محدث اعظم علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں ''حی علی الفلاح'' پر کھڑا ہونا مستحب ہے اس لیے اس سے پہلے کھڑے ہونا مستحب کے خلاف ہے اور حاشیہ طحطاوی اور عالمگیری میں جو اس کو مکروہ لکھا ہے اس سے مراد مکروہ تنزیہی ہے اور دراصل یہ خلاف اولیٰ ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ مستحب کے ترک پر ملامت نہیں کی جاتی۔ اس لیے جو لوگ اقامت کے وقت پہلے کھڑے ہو جائیں ان کو ملامت نہیں کرنا چاہیے اور مستحب کے ساتھ واجب کا معاملہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ کسی مستحب کو ترک کرنے پر اتنی قباحت نہیں ہے۔ جتنی کسی مستحب کو واجب قرار دینے میں قباحت ہے۔ اور اگر کچھ لوگ حی علی الفلاح پر اٹھنے والوں کو ملامت کریں کہ یہ دیر سے اٹھتے ہیں اور ان کو اقامت کی ابتداء میں کھڑا ہونا چاہیے تھا تو یہ اور زیادہ مذموم ہے۔[1]

---

1 : شرح صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، ج:۱،ص:۱۰۱۱، مطبوعہ، فرید بکسٹال، لاہور

اذان میں انگھوٹھے چومنا

رسول اللہ ﷺ کا نام گرامی سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا مستحب ہے اور باعث اجر وثواب ہے، کیونکہ ہر وہ امر جو آپ کی تعظیم پر دلالت کرے اس کے کرنے سے بہت ہی اجر وثواب ملتا ہے۔ اس کی تاریخ کے اندر کئی مثالیں موجود ہیں جیسا کہ حضرت علی نے تعظیم نبوی ﷺ کے پیش نظر نماز عصر قربان کر دی تو اللہ نے سورج پلٹا دیا[1]، حضرت ام ایمن نے تعظیم نبوی ﷺ میں بول مبارک پی لیا تو اللہ نے ان پر دوزخ کی آگ حرام کر دی اور پیٹ کے جملہ امراض سے شفاء عنایت فرمادی[2]۔

صحابہ کرام آپ ﷺ کے وضو سے گرنے والے پانی کو زمین پر نہیں لگنے دیتے بلکہ اپنے چہروں پر ملتے تھے اور آپ ﷺ کے تھوک اور رینٹھ مبارک کو منہ پر مل لیتے تھے[3] تو تعظیم نبی کے لیے جو کام بھی کیا جائے وہ باعث اجر وثواب ہوتا ہے اگرچہ اس پر کوئی دلیل موجود نہ بھی ہو جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بغیر کسی دلیل شرعی کے حدیث کو حالت قیام اور نہایت زیب وزینت میں پڑھاتے تھے، مدینہ شریف میں سواری پر سوار نہیں ہوتے تھے اور مدینہ طیبہ سے باہر نہیں جاتے تھے، یہ سب تعظیم نبوی کے پیش نظر اجر وثواب حاصل کرنے کیلئے کرتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ کا نام سن کر کوئی عاشق جھوم جائے اور تعظیماً اپنے انگھوٹے چوم لے تو اس پر بدعتی اور مشرک کا فتویٰ لگانے والوں کو سوچنا چاہئے کہ وہ صحابہ کرام اور امام مالک کے بارے میں کیا کہیں گے؟ کیا وہ بھی بدعتی ومشرک تھے؟

اہل سنت انگھوٹھے چومنے کو واجب نہیں کہتے بلکہ اہل سنت کے نزدیک یہ مستحب عمل ہے اس میں تعظیم نبی ﷺ کے علاوہ بہت سارے دینی ودنیاوی فوائد ہیں۔ اس پر صحابہ کرام کا عمل رہا ہے اور عامۃ المسلمین اس عمل کو مستحب سمجھ کر کرتے رہے اور کرتے رہیں گے۔

---

[1]: مدارج النبوۃ، ج:۲،ص:۲۵۲

[2]: المستدرک للحاکم، رقم:۶۹۱۱

[3]: بخاری، رقم ۲۷۳۲

اس مسئلہ پر کئی احادیث وارد ہیں اگر چہ وہ ضعیف ہیں لیکن فضائل اعمال میں ضعیف احادیث بھی معتبر ہوتی ہیں اور دوسرا یہ کہ جب ایک ضعیف روایت چند اسناد سے مروی ہو جائے تو وہ حسن بن جاتی ہے۔

مخالفین اس کے منع ہونے پر کوئی روایت پیش کریں وگرنہ مسلمانوں پر بدعتی ہونے کا فتویٰ لگانے سے باز رہیں۔

انگوٹھے چومنے کے دلائل:

علامہ شیخ اسماعیل حقی علیہ الرحمہ تفسیر روح البیان کے اندر زیر آیت (ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی) لکھتے ہیں۔

ان ادم علیہ السلام اشتاق الی لقاء محمد ﷺ حین کان فی الجنة فاوحی الله تعالیٰ الیه هو من صلبک و یظهر فی اخر الزمان فسال لقاء محمد ﷺ حین کان فی الجنة فاوحی الله الیه فجعل الله النور المحمدی فی اصبعه المسبّحة من یده الیمنی فسبح ذلک النور فلذلک سمیت تلک الاصبع مسبحة کما فی الروض الفائق واظهر الله تعالیٰ جمال حبیبه فی صفاء ظفری ابهامیه مثل المراة فقبل ادم ظفری ابهامیه و مسح علی عینیه فصار اصلالذریةفلما اخبر جبریل النبی ﷺ بهذه القصة قال علیه السلام من سمع اسمی فی الاذان فقبل ظفر ابهامیه و مسح علی عینیه لم یعم ابداً[1]

ترجمہ: جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں حضرت محمد ﷺ کی ملاقات کا اشتیاق ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ وہ تمہارے صلب سے آخر زمانے میں ظہور فرمائیں گے تو حضرت آدم نے آپ کی ملاقات کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے دائیں ہاتھ کے کلمے کی انگلی میں نور محمد ﷺ چمکایا تو اس نور نے اللہ کی تسبیح پڑھی

---

[1]: روح البیان، ج:۷، ص:۲۲۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ

اسی واسطے اس انگلی کا نام کلمے کی انگلی ہو گیا جیسا کہ "روض الفائق" میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے جمال کو حضرت آدم کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں آئینہ کی طرح ظاہر فرمایا تو حضرت آدم نے اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوم کر آنکھوں پر پھیرا پس یہ سنت آپ کی اولاد میں جاری ہوئی پھر جب حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا جو اذان میں میرا نام سنے اور اپنے انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگائے تو وہ کبھی اندھا نہیں ہوگا۔

علامہ شامی نے باب الاذان میں لکھا ہے کہ

یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشهادة صلی الله علیک یارسول الله و عند الثانیة منها قرة عینی بک یارسول الله ثم یقول اللهم متعنی بالسمع، والبصر بعد وضع ظفری الابهامین علی العینین فانه علیه السلام یکون قائداله الی الجنة کذافی کنزالعباد قهستانی ونحوه فی الفتاوی الصوفیة وفی کتاب الفردوس من قبل ظفری ابهامیه عند سماع اشهدان محمد ارسول الله فی الاذان انا قائده و مدخله فی صفوف الجنة و تمامه فی حواشی البحر للرملی۔[۱]

ترجمہ: اذان کی پہلی شہادت پر "صلی الله علیک یا رسول الله" کہنا مستحب ہے اور دوسری شہادت کے وقت "قرة عینی بک یارسول الله" کہے پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے "اللهم متعنی بالسمع والبصر" تو حضور ﷺ اس کو اپنے پیچھے جنت میں لے جائیں گے اسی طرح کنز العباد میں ہے اور اسی طرح فتاوی صوفیہ میں ہے اور کتاب الفردوس میں ہے کہ جو شخص اذان میں "اشهدان محمدا رسول الله" سن کر اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے تو میں اس کو اپنے پیچھے

۱: ☆ مجموعہ فتاوی، مولانا عبدالحی لکھنوی، ج:۳، ص:۴۳ مطبوعہ مطبع یوسفی ہند

☆ حاشیۃ الطحاوی علی مراقی الفلاح، باب الاذان، ج:۱، ص:۲۸۷، المکتبہ الغوثیہ

پیچھے جنت میں لے جاؤنگا او جنت کی صفوں میں داخل کروں گا اس کی تفصیل بحرالرائق کے حواشی ''رملی'' میں ہے۔

اذان سے پہلے یا بعد میں درود وسلام پڑھنا:

اذان سے پہلے یا بعد آہستہ یا بلند آواز سے درود وسلام پڑھنا جائز ومسنون ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم مطلق ہے ''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ اصَلُّوْاعَلَیْہِ وَسَلِّمُوْ اتَسْلِیْماً''[1] ترجمہ: اے ایمان والو! تم بھی اس نبی ﷺ پر درود وسلام خوب بھیجو، اس حکم میں کسی وقت کی کوئی قید اور تخصیص نہیں ہے کہ فلاں وقت میں پڑھا کرو اور فلاں وقت نہ پڑھا کرو۔ اس وقت درود وسلام پڑھنے کی ممانعت بھی کہیں نہیں کی گئی جب کہ اذان کے بعد خاص طور پر حکم دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عمرو بیان فرماتے ہیں انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ''اذا سمعتم المئوذن فقولوامثل مایقول ثم صلوا علی فانه من صلی علی صلوة صلی الله علیه بها عشرا[2] '' ترجمہ: جب تم موذن سے اذان سنو تو اس کی مثل کلمات کہو پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

محدث کبیر علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں ''کہ یہ حقیقت نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونی چاہیے کہ اذان سے پہلے صلوۃ وسلام کچھ وقفہ سے پڑھیں اور کبھی کبھی ترک بھی کردیں تا کہ ان پڑھ لوگ اور آنے والی نسلیں صلوۃ وسلام کو اذان کا حصہ نہ سمجھ لیں۔''

لہذا اس سے روکنا بھی درست نہیں اور اس کو اذان کا حصہ قرار دینا بھی درست نہیں ہے تعصب کی بنا پر منع کرنا یا ضروری سمجھ لینا یا اس کو اہلسنت کی علامت بنا دینا کہ جو اس طرح کرے گا وہ ہی سنی ہوگا درست نہیں ہے۔

---

[1] : الاحزاب:۵٦

[2] : مسلم، کتاب الصلوۃ، باب استحباب القول مثل المؤذن لمن سمعه ثم یصلی الخ، ج:۱، ص:۱۴۴ قدیمی

صفوں کی درستگی میں کندھے سے کندھا ملنا سنت ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ''ان رسول اللہ ﷺ قال اقیمو لصفوف وحاذوابین المناکب و سدوالخلل ولینوابایدی اخوانکم ولا تذروافرجات للشیطن ومن وصل صفا و صله الله ومن قطع صفا قطعه الله''۔[۱]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صفوں کو قائم کرو کندھوں کو برابر کرو، خالی جگہوں کو پر کرو اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ شیطان کے لیے صف میں خالی جگہ نہ چھوڑو جس نے صف کو ملایا اللہ اسے ملائے گا اور جس نے صف کو کاٹا اللہ اسے کاٹے گا۔

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ''اقیمت الصلوۃ فاقبل علینا رسول الله ﷺ بوجهه فقال اقیموا صفوفکم وتراصوافانی اراکم من وراء ظهری''[۲]

ترجمہ: نماز کی تکبیر ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا دیکھو صفوں کو برابر رکھو اور مل کر کھڑے ہو بے شک میں تمہیں اپنی پشت سے دیکھتا ہوں۔

تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے دونوں ہاتھ کو کانوں تک اٹھانا سنت ہے:

تکبیر تحریمہ میں دونوں ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھانا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اس طرح کہ ہتھیلیاں اور انگلیاں قبلہ رخ رہیں اور انگوٹھے کانوں کی لو کے بالمقابل ہوں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''انه رای نبی الله ﷺ وقال حتی یحاذی بهما فروع اذنیه''[۳]

---

[۱] : ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب تسویۃ الصفوف، ج:۱، ص:۱۰۷، رحمانیہ

[۲] : بخاری، کتاب الصلوۃ، باب الزاق المنکب بالمنکب فی الصف، ج:۱، ص:۲۰۰، قدیمی

[۳] : مسلم، کتاب الصلوۃ، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین، ج:۱، ص:۱۶۸، قدیمی

ترجمہ: کہ انہوں نے اللہ کے نبی ﷺ کو دیکھا وہ ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھاتے تھے۔

حضرت وائل ابن حجر سے روایت ہے ''انہ بصر النبی ﷺ حین قام الی الصلوۃ رفع یدیه حتی کانتا بخیال منکبیه و حاذی بابهامیه اذنیه ثم کبر''[1]

ترجمہ: انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے مقابل میں آ گئے اور آپ کے دونوں انگوٹھے آپ کے دونوں کانوں کے برابر آ گئے پھر آپ ﷺ نے اللہ اکبر کہا۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا:

حضرت وائل ابن حجر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں: قال رایت النبی ﷺ یضع یمینه علی شماله فی الصلوۃ تحت السرۃ.[2]

ترجمہ: فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھتے ناف کے نیچے۔

حضرت جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''ان علیا قال من السنة وضع الکف علی الکف فی الصلوۃ تحت السرۃ.[3]''

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نماز میں ہتھیلی پر ہتھیلی ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔

---

[1]: ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب رفع الیدین، ج:۱،ص:۱۱۴،(حدیث:۷۲۵) رحمانیہ

[2]: مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۱،ص:۳۹،مطبوعہ، ادارۃ القرآن اکیڈمی

[3]: ☆ مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۱،ص:۳۹۱،مطبوعہ، ادارۃ القرآن اکیڈمی

☆ سنن بیہقی، ج:۲،ص:۳۱،مطبوعہ، نشر السنہ، ملتان

غیر مقلدین (فقہ وتقلید کو نہ ماننے والوں) سے سوالات:

(۱) نماز کے شروع میں لفظ اللہ اکبر کہنا فرض ہے یا واجب ہے یا سنت یہ حکم صریح حدیث سے دکھائیں۔

(۲) تکبیر تحریمہ منفرد اور مقتدی ہمیشہ آہستہ آواز سے کہتے ہیں اور امام تکبیر تحریمہ بلند آواز سے کہتا ہے یہ کس حدیث میں ہے؟

(۳) حضرت وائل ابن حجر کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر باندھتے تھے جیسا کہ مسلم، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، مسند احمد، صحیح بن حبان، اور ابوداؤد طیالسی میں ہے حدیث کی ان کتابوں میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کا لفظ نہیں ہے صرف ابن خزیمہ میں ہے اور اس کا بھی راوی مؤمل بن اسمائیل ضعیف ہے، صحیح روایات کو چھوڑ کر ضعیف پر عمل کرنے کا کیا مطلب ہے؟

(۴) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا تمام انبیاء کی سنت ہے جیسا کہ مسند زید اور محلی ابن حزم میں حضرت علی، حضرت عائشہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے منقول ہے ان احادیث پر عمل کیوں نہیں کرتے؟

قرات خلف الامام کا بیان

قرات فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ شروع سے ائمہ کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے یہ نماز کے مختلف فیہ مسائل میں سے سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس میں اختلاف افضلیت اور عدم افضلیت کا نہیں بلکہ جواز اور عدم جواز کا ہے۔

احناف کے نزدیک قرات فاتحہ خلف الامام جہری اور سری دونوں نمازوں میں مکروہ ہے البتہ احناف میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ قرات فاتحہ خلف الامام جہری نمازوں میں مکروہ تحریمی ہے اور سری نمازوں میں جائز ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرات فاتحہ خلف الامام جہری اور سری دونوں نمازوں میں واجب ہے۔

امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ اس بات پر متفق ہیں کہ جہری نمازوں میں قرات فاتحہ خلف الامام واجب نہیں لیکن پھر ان سے مختلف روایات ہیں بعض میں مکروہ، بعض میں جائز اور بعض میں مستحب قرار دی گئی ہے اور سری نمازوں کے بارے میں ان سے تین روایات ہیں۔ (۱) قرات واجب ہے (۲) قرات مستحب ہے (۳) مباح ہے۔

پتہ چلا کہ جہری نمازوں میں وجوب قرات کا قول صرف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور یہ بھی مشہور قول ہے ورنہ تحقیق یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی جہری نمازوں میں وجوب قرات کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنی کتاب ''کتاب الام'' میں لکھا ہے ''**ونحن نقول کلّ صلوٰۃ صلّیت خلف الامام والامام یقرء قُراۃ لا یسمع فیھا**[1]''

یہ کتاب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب جدیدہ میں سے ہے کیونکہ یہ مصر میں

---

[1]: البدایہ والنھایہ، ج:۱۰، ص:۲۵۲، دار ابن کثیر، بیروت

منتقل ہونے کے بعد لکھی ہے۔

تو پتہ چلا کہ جہری نمازوں میں وجوب قرات کا مسلک صرف آج کے غیر مقلدین کا ہے۔ غیر مقلدین کے امام داؤد ظاہری اور ابن تیمیہ بھی جہری نمازوں میں قرات خلف الامام کے ترک کے قائل ہیں۔

احناف کے دلائل:

پہلی دلیل:

امام کے پیچھے قرات نہیں کی جائے گی خواہ سری نماز ہو یا جہری ہو، کیونکہ اللہ نے ارشاد فرمایا ''وَاِذَا قُرِئَی الْقُرآنُ فَاستَمِعُوْالَهُ وَانْصِتُوْالَعَلّکُم تُرْحَمُوْنَ''[1]۔

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔

امام بیہقی نے کتاب القراۃ، امام ابن ابی حاتم اور حافظ ابن جریر نے اپنی اپنی تفاسیر میں حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بعض صحابہ امام کے پیچھے قرات کیا کرتے تھے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور ابن جریر نے یسیر ابن جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے انہوں نے فرمایا ''صلی ابن مسعود فسمع انا سایقرء ون مع الامام فلما انصر ف قال اماٰن بکم ان تفقهو اما اٰن لکم ان تعقلو افاذا قریء القرآن فاستمعو اله و انصتو کما امر کم الله''[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود نے نماز پڑھی اور چند آدمیوں کو امام کے ساتھ قرات کرتے سنا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کیا وہ وقت ابھی نہیں آیا کہ تم سمجھ اور عقل سے کام لو اور جب قرآن کی قرات ہوتی ہو تو تم اس کی طرف توجہ کرو اور خاموش رہو

---

[1]: الاعراف:۲۰۴

[2]: تفسیر ابن جریر طبری، ج:۹، ص:۱۰۳، مطبوعہ، دار المعرفہ، بیروت

جیسا کہ اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے ہیں جو فقاہت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے اور آپ ہر آیت اور ہر سورت کا شان نزول جانتے تھے آپ نے امام کے پیچھے قرات کو قرآن کے خلاف اور فہم وعقل کی کمی قرار دیا اور یہ واضح کر دیا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سننے اور خاموش رہنے کا حکم دیا جو امام کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے ہوں لہٰذا یہ نہ کہا جائے کہ یہ آیت خطبہ جمعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس کے نزول کا سبب خطبہ جمعہ نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ آیت پہلے (مکہ میں) نازل ہوئی اور جمعہ بعد (مدینہ طیبہ) میں فرض ہوا ہے۔

دوسری دلیل:

حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کی روایت ہے جسے امام مسلم نے اپنی سند صحیح کے ساتھ ذکر کیا ہے "ان رسول اللہ ﷺ خطبنا فبین لنا سنتنا و علمنا صلوتنا فقال اذا صلیتم فاقمیوا صفوفکم ثم لیئومکم احدکم فاذا کبر فکبر وا واذاقرء فانصتوا واذاقال غیر المغضوب علیھم ولاالضالین "فقولو اامین[۱]:

ترجمہ: حضرت ابوموسی اشعری فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خطاب فرمایا سنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین کی اور نماز کا طریقہ بتایا اور فرمایا کہ نماز پڑھنے سے پہلے اپنی صفوں کو درست کرلو پھر تم میں سے ایک تمہارا امام بنے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرات کرے تو تم خاموش رہو اور وہ جب غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔

حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت کو صحیح قرار دینے والوں میں درج ذیل حضرات شامل ہیں۔

---

[۱]: مسلم، کتاب الصلوۃ، باب فی الصلوۃ، ج:۱،ص:۱۷۴،قدیمی

(۱) امام احمد ابن حنبل، مسند احمد ج:۲، ص:۳۸۶، تعلیق الحسن ج:۲، ص:۸۶

(۲) امام مسلم، صحیح مسلم ج:۱، ص:۱۷۴

(۳) امام نسائی، سنن نسائی ج:۱، ص:۱۴۶

(۴) امام ابن جریر، تفسیر طبری ج:۹، ص:۱۱۰

(۵) حافظ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ج:۲، ص:۲۸۰

(۶) امام بدر الدین عینی، عمدۃ القاری ج:۳، ص:۵۶

(۷) حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری ج:۲، ص:۲۰۱

(۸) امام ابن حزیمہ، برھان العجائب، ص:۱۰۴

امام ابوعوانہ، علامہ ماردینی، امام ابن معین، امام عثمان ابن ابی شیبہ، امام علی بن المدینی، امام سعید بن منصور خراسانی، امام ابن صلاح، امام اسحاق ابن راہویہ، امام ابوزرعہ رازی، امام موفق الدین ابن قدامہ، امام شمس الدین ابن قدامہ، امام منذری، امام عمر بن عبدالراور شیخ ابن تیمیہ وغیرہ تمام ائمہ نے اس کی صحت کا اقرار کیا ہے۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ”عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ انماجعل الا مام لیئوتم به فاذا کبر فکبروا واذاقرء فانصتواالی آخره“[۱] ترجمہ: ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امام اس لیے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے تو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو“

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی تصیح کرنے والے ائمہ بھی درج ذیل ہیں۔

(۱) امام احمد ابن حنبل، الجواہر النقی، ج:۲، ص:۱۵۷

(۲) امام مسلم، صحیح مسلم، ج:۱، ص:۱۷۴

(۳) علامہ ابن حزم، محلی، ج:۳، ص:۳۳۰

(۴) امام نسائی۔ سنن نسائی، ج:۱، ص:۱۴۶

(۵) امام دار قطبی، سنن دار قطنی، ج:۱، ص:۱۲۴

---

[۱]: نسائی کتاب الافتتاح، تاویل قولہ عز وجل واذاقرأالقرآن فاستمعوالہ الی آخرہ، ج:۱، ص:۱۴۶، رحمانیہ

فائدہ: ان روایات کے اندر مطلقاً امام کے پیچھے قرات کرنے سے روکا گیا ہے۔(خواہ نماز سری ہو یا جہری، لہذا قرات کرنا امام کا فریضہ اور مقتدیوں کے لیے خاموش رہنا لازم ہے اسی لیے مقتدیوں کو کسی نماز میں امام کے پیچھے قرات کرنے کی اجازت اور گنجائش نہیں ہے۔)

تیسری دلیل:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ''ان رسول الله ﷺ انصرف من صلوة جهر فيها بالقراة فقال هل قرأمعي احد منكم انفا فقال رجل نعم يا رسول الله ﷺ قال فقال رسول الله ﷺ انى اقول مالى انازع القرآن، فانتهى الناس عن القراة مع رسول الله فيما يجهر فيه رسول الله ﷺ من الصلوة بالقرأةحين سمعوا ذلك من رسول الله ﷺ''[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ ایک جہری نماز سے فارغ ہوئے اور یہ ارشاد فرمایا کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرات کی ہے؟ ایک شخص بولا جی ہاں یا رسول اللہ! میں نے قرات کی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جبھی تو میں (اپنے دل میں) کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرآن کی قرات میں منازعت اور ہاتھا پائی کیوں ہو رہی ہے؟ اس ارشاد کے بعد جن نمازوں میں آپ قرات جہر سے کیا کرتے تھے لوگوں نے آپ کے پیچھے قرات ترک کر دی تھی۔

فائدہ:

یہ فجر کی نماز کا واقعہ ہے۔[2]

اس کے اندر تمام صحابہ کرام موجود تھے مگر قرات کرنے والا ایک ہی تھا اور رسول اللہ ﷺ نے باقی صحابہ جنہوں نے قرات نہیں کی انہیں کچھ نہیں کہا صرف جس نے قرات کی

---

[1] : ترمذی، ابواب الصلوۃ، باب ماجاء فی ترک القرآۃ خلف الامام اذا جہر بالقرآۃ، ج:۱، ص:۱۷۸، مکتبہ رحمانیہ

[2] : ابوداؤد، ج:۱، ص:۱۲۸، مکتبہ رحمانیہ

اس کی ڈانٹ ڈپٹ کی اور یہ ناممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امام کے پیچھے قرات کرنے کا حکم دیا ہو اور صحابہ کرام اس پر عمل نہ کریں۔ اس لیے جہری نمازوں میں قرات کے منع ہونے کی اس سے بڑھ کر قطعی اور صریح دلیل کیا ہو سکتی ہے؟

اس روایت کو ترمذی کے علاوہ معتبر محدثین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے جس کے صحیح ہونے میں کسی کو قطعاً کوئی کلام نہیں ہو سکتا:

(۱) نسائی: ترک القراۃ خلف الامام فیما جہر بہ، ج:۱، ص:۱۴۶

(۲) موطا امام مالک، ترک القراۃ خلف الامام فیما جہر فیہ، ص:۶۹

(۳) سنن ابن ماجہ، باب اذا قرء الامام فانصتوا، ص:۶۱

(۴) ابوداود، باب من رای القراۃ اذا لم یجہر، ج:۱، ص:۱۲۰

(۵) سنن کبری للبیہقی، باب من قال یترک الماموم القراۃ فیما جہر فیہ الامام بالقراۃ، ج:۲، ص:۱۵۷۔

چوتھی دلیل:

حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "قال قال رسول اللہ ﷺ من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قرأۃ"[۱]

ترجمہ: حضرت جابر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس آدمی نے امام کی اقتداء کی تو امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہے۔

فائدہ: اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور یہ حدیث صحیح علی شرط مسلم ہے اس حدیث میں قاعدہ کلیہ بیان کر دیا گیا ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کے لیے کافی ہو جاتی ہے

---

[۱]: ☆ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، باب اذا قرء الامام فانصتو، ص:۶۱، قدیمی

☆ شرح معانی الآثار، باب القرأۃ خلف الامام، ج:۱، ص:۱۰۶، مکتبہ حقانیہ ملتان

☆ موطا امام محمد، باب القرأۃ فی الصلوۃ خلف الامام، ص:۹۸، المصباح

☆ سنن کبری للبیہقی، باب من قال لا یقرء خلف الامام علی الاطلاق، ج:۲، ص:۱۶۰، نشر السنۃ ملتان

اسے الگ قرأت کرنے کی ضرورت نہیں اس میں مطلق حکم ہے قرأت خواہ فاتحہ کی ہو یا سورۃ کی اور نماز بھی خواہ جہری ہو یا سری ہر ایک میں امام کی قرأت ہی مقتدی کے لیے کافی ہے لہٰذا مقتدی کا قرأت کو ترک کرنا ''لا صلوۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب'' کے تحت نہیں آتا۔

اس روایت کو متعدد طرق سے ذکر کیا گیا ہے جن میں سے چند ایک درج کیے جاتے ہیں تاکہ کسی کو اعتراض کی کوئی گنجائش نہ رہے:

پہلا طریق: ''حدثنا مالک بن اسمٰعیل عن حسن بن صالح عن ابی الزبیر عن جابر رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال کل من کان لہ امام فقرأتہ لہ قرأۃ''[1]

فائدہ: حسن بن صالح اور ابو الزبیر دونوں میں معاصرت (ہم عصر ہونا) ثابت ہے کیونکہ حسن بن صالح کی ولادت ۱۰۰ھ اور ابو الزبیر کی وفات ۱۲۸ھ ہے لہٰذا معاصرت پر اعتراض وارد نہیں ہوتا۔[2]

دوسرا طریق: اس حدیث کا دوسرا طریق مسند عبد ابن حمید میں اس سند سے مروی ہے ''حدثنا ابو نعیم حدثنا الحسن بن صالح عن ابی الزبیر عن جابر عن النبی ﷺ الخ'' یہ صحیح علی شرط مسلم ہے۔[3]

تیسرا طریق: مصنف عبد الرزاق میں اس طرح مروی ہے ''عبد الرزاق عن الثوری عن موسیٰ بن ابی عائشہ عن عبد اللہ بن شداد بن الہاد اللیثی قال صلی النبی ﷺ الظہر و العصر فجعل رجل یقرء خلف النبی ﷺ و رجل ینہی فلما صلی قال یارسول اللہ کنت اقرء و کان ھذا ینہانی فقال لہ

---

[1]: مصنف ابن ابی شیبہ، من کرہ القرأۃ خلف الامام، ج:۱،ص:۳۷۷، ادارۃ القرآن

[2]: تذکرۃ الحفاظ، ج:۱،ص:۱۱۹، مطبوعہ، ادارہ احیاء التراث العربی، بیروت

[3]: روح المعانی، ج:۵،ص:۱۵۱، سورۃ الاعراف:۲۰۴

رسول اللہ ﷺ من کان لہ امام فان قرأۃ الامام لہ قرأۃ"[۱]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ظہر اور عصر کی نماز ادا فرمائی تو ایک آدمی نبی ﷺ کے پیچھے قرأت کرنے لگا اور ایک دوسرا آدمی اسے قرأت سے روکنے لگا، جب اس نے نماز پڑھ لی تو اس نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں قرأت کرتا ہوں اور یہ مجھے روکتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کا امام ہو تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔

چوتھا طریق: تاریخ بغداد میں یہ حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "اخبرنی ابو القاسم الازھری اخبرنا علی بن عمر الختلی اخبرنا ابو جعفر محمد بن احمد بن محمد فضالہ المروزی اخبر احمد بن علی بن سلمان المروزی اخبرنا محمد بن عبدۃ اخبرنا خارجۃ عن ایوب عن نافع عن بن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قرأۃ"[۲]

صحابہ کرام کا عمل اور مسلک احناف:

جس نے جتنا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ زیادہ وقت گزارا ہے اسے اتنی ہی زیادہ رشد وہدایت اور تعلیم وتربیت حاصل ہوئی ہے اور وہ اسلام کے احکام کے بارے میں زیادہ جانتا ہے اس لیے اگر کسی مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہو تو اس میں فیصلہ اس بنیاد پر بھی ہوتا ہے کہ اس بارے میں صحابہ کرام کا مسلک اور معمول کیا تھا تو بفضل اللہ تعالیٰ اس رخ سے دیکھا جائے تو بھی احناف کا پلڑا بھاری ہے علامہ بدارلدین عینی نے لکھا ہے کہ امام کے پیچھے قرأۃ ترک کرنے کا مسلک تقریباً اسی بزرگ صحابہ سے ثابت ہے جن میں سے بہت سارے صحابہ کرام اس مسئلہ میں بڑے متشدد تھے۔[۳]

۱: مصنف عبدالرزاق، باب القرأۃ خلف الامام، ج:۲،ص:۱۳۶ رقم:۲۷۹۷

۲: ☆ تاریخ بغداد، ج:۱،ص:۹۷، ۹۸، مطبوعہ، مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ

☆ کتاب القرأۃ للبیہقی،ص:۱۵۷، ۱۵۸

۳: عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، ج:۳،ص:۶۷، مطبوعہ، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، دمشق

خلفائے راشدین کا عمل:

امام عبدالرزاق نے اپنی سند سے بیان کیا ''ان رسول اللہ ﷺ وابی بکر وعمر وعثمان کانوا ینھون عن القراءۃ خلف الامام[1] '' ترجمہ: بے شک رسول اللہ ﷺ، ابوبکر صدیق، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مسلک:

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ حضرت عمر نے فرمایا ''لیت فی فم الذی یقرء خلف الامام حجرا[2] '' ترجمہ: کاش کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں پتھر ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مسلک:

امام عبدالرزاق دوسری سند سے بیان کرتے ہیں ''قال علی رضی اللہ عنه من قرء مع الامام فلیس علی الفطرۃ[3] ''

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس شخص نے امام کے ساتھ قرأت کی تو وہ فطرت پر نہیں ہے۔

حضرت زید بن ثابت کا مسلک:

حضرت عطا ابن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت زید ابن ثابت سے پوچھا گیا کیا امام کے پیچھے قرأت کی جاسکتی ہے تو آپ نے فرمایا ''لا قراۃ مع الامام فی شیٔ[4] ''

ترجمہ: امام کے ساتھ قرأت نہیں ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''من قرء خلف الامام فلاصلوۃ له[5] ''

---

1 : مصنف عبدالرزاق، باب القرآۃ خلف الامام، ج:۲، ص:۶۷، مکتب اعلامی، بیروت

2-5 : موطا امام محمد، باب القرآۃ فی الصلوۃ خلف الامام، ص:۱۰۲، المصباح

3 : مصنف عبدالرزاق، ج:۲، ص:۱۳۹، مکتب اسلامی، بیروت

4 : ☆ مسلم، باب سجود التلاوۃ، ج:۱، ص:۲۱۵، قدیمی

☆ نسائی، ج:۱، ص:۱۱۱، مطبوعہ، مکتبہ حقانیہ، ملتان

5 : شرح معانی الآثار، ج:۱، ص:۱۲۴، مطبوعہ، مکتبہ حقانیہ، ملتان

ترجمہ: جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس کی نماز نہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مسلک:

حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا "جاء رجل الی بن مسعود فقال اقرءۃ خلف، قال انصت فان فی الصلوٰۃ شغلاو سیکفیک ذلک الامام"[1]

ترجمہ: ایک آدمی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اس نے کہا کیا امام کے پیچھے قرأت ہے آپ نے فرمایا خاموش رہو بے شک نماز میں اشتغال ہے تو پس تمہیں قرأت امام کی طرف سے کافی ہوگی۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مسلک:

حضرت نافع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں "ان عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کان اذاسئل ھل یقرء احد خلف الامام قال اذاصلی احد کم خلف الامام فحسبہ قرء ۃ الامام و اذاصلی وحدہ فلیقرء و کان بن عمر رضی اللہ عنہ لا یقرء خلف الامام"[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر سے جب یہ سوال کیا جاتا تھا کہ امام کے پیچھے کوئی نمازی قرأت کرسکتا ہے؟ تو وہ اس کا جواب دیا کرتے تھے کہ جب آدمی امام کی اقتداء کر چکے تو اس کو امام کی قرأت کافی ہے اور جب کوئی اکیلا نماز پڑھے تو اسے قرأت کرنی چاہیے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرآت نہیں کرتے تھے۔

اس طرح جملہ صحابہ کرام جن میں عشرہ مبشرہ، عبادلہ وغیرہ سارے امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے تھے۔

---

[1]: ☆ مجمع الزوائد، باب القرآۃ فی الصلوۃ، ج:۲،ص:۱۱۰،۱۱۱، دار الکتاب العربی، بیروت

☆ موطا امام محمد، باب القرآۃ فی الصلوۃ خلف الامام، ص:۱۰۰، المصباح

[2]: موطا امام مالک، ترک القرآۃ خلف الامام فیما جہر فیہ، ص:۶۸، قدیمی

الحمدللہ احناف کے دلائل میں جو روایات ذکر کی ہیں وہ صحیح بھی ہیں اور صریح بھی ہیں جبکہ شوافع کی کوئی دلیل ایسی نہیں جو بیک وقت صحیح بھی ہو اور صریح بھی جبکہ اکثر روایات ضعیف ہیں جو صحیح روایات ہیں وہ صریح نہیں ہیں وہ منفرد یا امامت پر محمول ہو سکتی ہیں۔

غیر مقلدین سے چند سوالات:

(۱) امام احمد ابن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم نے اہل اسلام میں سے کسی سے نہیں سنا جو یہ کہتا ہو کہ جب امام جہر سے قرأت کرتا ہو اور مقتدی اس کے پیچھے قرأت نہ کرے تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔[۱]

لیکن غیر مقلدین نے اہل اسلام کی نماز کو باطل کہنا شروع کیا ہوا ہے یہ کس بنا پر؟

(۲) قرآن پاک میں جب صریح حکم موجود ہے "واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون" یعنی جب (نماز باجماعت میں امام سے) قرآن پڑھا جائے تو (اے مقتدیو) تم توجہ کرو اور خاموش رہو تا کہ تم پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔

امام احمد ابن حنبل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کا اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے متعلق نازل ہوئی ہے۔[۲]

تو غیر مقلدین حضرات اس آیت کو کس بناء پر نہیں مانتے؟

(۳) رسول اللہ ﷺ نے جب نماز باجماعت کا طریقہ سکھایا تو فرمایا "واذا قرء فانصتوا" یہ حدیث ابو موسیٰ اشعری سے[۳] اور حضرت ابو ہریرہ[۴] حضرت عمر، حضرت عثمان،

۱: مغنی ابن قدامہ، ج:۱، ص:۶۰۲، مطبوعہ، دار الفکر، بیروت

۲: ☆ مغنی ابن قدامہ، ج:۱، ص:۶۰۵، مطبوعہ، دار الفکر، بیروت

☆ فتاوی ابن تیمیہ، ج:۲، ص:۴۱۲، مطبوعہ، دار الجلیل، بیروت

۳: مسلم، ج:۱، ص:۱۷۴، مطبوعہ، قدیمی

۴: ابن ماجہ، ص:۶۱، مطبوعہ، قدیمی

حضرت علی، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت انس، حضرت زید بن اسلم، اور حضرت زہری رضی اللہ عنہم سے مروی ہے تو پھر غیر مقلدین حضرات کس بناء پر اس روایت کو نہیں مانتے؟

(۴) غیر مقلدین کہیں بھی کوئی ایک صحیح حدیث دکھادیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہو کہ امام کی قرأت مقتدی کے لیے ہرگز نہیں اور وہ روایت مذکورہ کے بعد کی ہو تو بھی نہیں دکھا سکیں گے تو پھر اتنی ضد کیوں؟

(۵) غیر مقلدین سے جب ''واذاقریٔ القرآن فاستمعواله وانصتوا'' کا جواب نہ بنا تو اس کا رد کرنے کے لیے یہ کہنا شروع کر دیا کہ (نعوذ باللہ) فاتحہ قرآن نہیں ہے۔ حالانکہ وہ کوئی بھی ایسا قرآن نہیں دکھا سکتے جس میں فاتحہ نہ ہو الحمد للہ ہم بخاری سے دکھائیں گے کہ فاتحہ قرآن ہے اور وہ کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں پیش کر سکتے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو کہ فاتحہ قرآن نہیں ہے تو اتنی ضد اور امت کے اندر انتشار کیوں؟ اس کے پیچھے کون سا نظریہ کارفرما ہے؟

آمین آہستہ کہنا

جب نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھی جائے تو ''غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ '' کے بعد امین کہنا سنت ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ''ان رسول اللہ ﷺ قال اذا قال الامام غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فقولوا امین فمن وافق قوله قول الملئکة غفرله ماتقدم من ذنبه[1]''

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب امام ''غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ '' کہے تو تم (مقتدی) آمین کہا کرو پس جس آدمی کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو جائے اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

ائمہ اربعہ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آمین بلند آواز سے کہی جائے یا آہستہ آواز میں، امام اعظم کے نزدیک اور امام مالک کے مختار مذہب کے مطابق آمین آہستہ کہنا مستحب ہے اور امام شافعی کے نزدیک بلند آواز سے آمین کہنا مستحب ہے اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک جہری نمازوں میں امام اور مقتدی دونوں بلند آوازوں سے آمین کہیں اور سری نمازوں میں آہستہ، مزید تفصیل کے لیے ھدایۃ اولین ص: ۸۷، اکمال المعلم، ج: ۲، ص: ۱۶۶۔ ۱۶۷ بیروت، شرح صحیح مسلم لنووی ج: ۱، ص: ۱۷۶ اور المغنی لابن قدامہ حنبلی، ج: ۱، ص: ۱۹۰ بیروت، کا مطالعہ کریں۔

احادیث میں دونوں طریقے ثابت ہوئے ہیں تو اس میں یہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابتداء اسلام میں لوگوں کو سکھانے کے لیے بلند آواز سے آمین کہی کہ اس طرح کہا کرو اور بعد میں آہستہ آمین کہی۔

آمین آہستہ کہنے کے دلائل:

پہلی دلیل:

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ''صلی بنا رسول اللہ ﷺ

---

[1] [illegible]

فلماقرء غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قال امين واخفی به صوته"[1]

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی جب آپ نے "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" پڑھا تو امین کہی اور امین کے وقت آواز پوشیدہ کردی۔

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں امام حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

دوسری دلیل:

امام ترمذی روایت کرتے ہیں،

"عن علقمه بن وائل رضی الله عنه عن ابیه ان النبی ﷺ قرء غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فقال امین و خفض بهاصوته"[2]

ترجمہ: حضرت علقمہ بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" پڑھا اور آہستہ امین کہی۔

تیسری دلیل:

امام بخاری والی جو روایت شروع میں نقل کی ہے اس میں فرشتوں کی امین سے موافقت کا حکم ہے اور فرشتے آہستہ آمین کہتے ہیں اس لیے اُن سے موافقت اس وقت ہوگی جب آمین آہستہ کہی جائے۔

حضرت عمر اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہما تعوذ و تسمیہ اور آمین میں آواز بلند نہیں کرتے تھے۔[3]

آمین اونچی آواز سے کہنا یا آہستہ کہنا صرف مستحب ہے اس کو لے کرامت کے اندر انتشار پھیلانا عقل مند لوگوں کا کام نہیں ہے۔

غیر مقلدین حضرات کی کتابیں، صلوۃ الرسول، مصنفہ حکیم صادق سیالکوٹی، حقیقة

---

[1]: مسند احمد، ج:۳، ص:۱۱۶، مطبوعہ، مکتب اسلامی، بیروت

[2]: ترمذی، ابواب الصلوۃ، باب ماجاء فی التامین، ج:۱، ص:۶۲، مکتبہ رحمانیہ

[3]: شرح معانی الآثار (طحاوی)، ج:۱، ص:۱۲۰، مکتبہ حقانیہ

الفقہ، مصنفہ مولوی یوسف جے پوری، اور اہلحدیث کے امتیازی مسائل اوران کے علاوہ دیگر کتب کے اندر ائمہ، محدثین اور مصنفین پر بہتان بازی اور جھوٹ کی ایک قطار باندھی ہوئی ہے کئی مسائل ایسے ہیں کہ ان کا حوالہ بخاری، مسلم، اور ھدایۃ سے دیا ہے حالانکہ وہ مسائل ان کتب کے اندر موجود نہیں ہیں ان کی نشاندہی کسی اور موقع پر کی جائے گی (انشاء اللہ تعالیٰ)

رفع یدین (دونوں ہاتھوں کا اٹھانا)

نماز کے اندر تحریمہ کے وقت کانوں تک ہاتھوں کو اٹھانا بالاتفاق سنت ہے اسی طرح سجدوں اوران سے اٹھتے وقت ہاتھوں کو نہ اٹھانا بالاتفاق سنت ہے۔ لیکن رکوع کے وقت اس سے اٹھتے ہوئے رفع یدین کے بارے میں اختلاف ہے۔ کیونکہ اس میں دونوں طرح کی احادیث موجود ہیں امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہما دونوں جگہوں میں رفع یدین کرنے کے قائل ہیں اور امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہما ان دو مقامات پر رفع یدین نہ کرنے کے قائل ہیں، ائمہ کا یہ اختلاف محض افضلیت اور عدم افضلیت میں ہے، جائز ناجائز میں نہیں ہے۔

چونکہ رفع یدین اور ترک رفع یدین دونوں کے بارے میں روایات موجود ہیں۔ ان کی تفصیل سے پہلے یہاں وہ امور ذکر کیے جاتے ہیں جو کہ مفتی اعظم پاکستان، استاذی المکرم جناب مفتی محمد عبدالعلیم سیالوی صاحب مدظلہ العالی نے اپنی عظیم کتاب ”نماز کے مسائل“ کے اندر ذکر کیے ہیں کیونکہ ان کو سمجھنے سے مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

(۱) جس طرح احکام شرعیہ اوامر نواہی حسب ضرورت اور وقتی مصلحت کے پیش نظر بدلتے رہے اسی طرح نماز میں بھی مختلف تغیر وتبدل مصلحتاً اور حکمتاً رو پذیر ہوئے جس طرح پہلے بیت المقدس قبلہ تھا اور بعد میں بیت اللہ، نماز میں گفتگو کا کیا جانا، پھر اسے منسوخ کیا جانا۔

(۲) ایک ہی مضمون کی حدیث مختلف طرق سے نبی ﷺ سے منقول ہو تو ضروری ہے کہ ان مختلف روایات کو آپس میں توفیق دیں تا کہ اختلاف نہ رہے یا تو ان احادیث کو مختلف مواقع پر محمول کریں تا کہ اختلاف جاتا رہے یا پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے عمل کو دیکھیں تا کہ راجح، مرجوح کا پتہ چل سکے۔

(۳) صحابہ کرام کا کسی مسئلہ پر عمل کرنا، عموماً فقہاء صحابہ کا اور خصوصاً خلفائے

راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کے عمل کے خلاف والی روایت یا تو ضعیف ہے یا اس کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

(۴) ائمہ مجتہدین کا کسی روایت کو احکام کے لیے ماخذ بنانا اس روایت کی صحت کی نشانی ہے، نیز ائمہ حدیث کا دور تو ائمہ فقہائے اربعہ کے زمانے کے بہت بعد کا ہے۔ خصوصاً امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ صرف دو واسطوں سے حدیث شریف کو سرکار دو عالم ﷺ سے لیتے ہیں جن کے صحابی اور تابعی ہونے کی وجہ سے ان کے ثقہ ہونے پر خود ارشاد مصطفوی ''اصحابی کلھم عدول'' شاہد ہے اگر ضعیف راوی ہوا بھی تو بعد کو۔

(۵) جرح اور تعدیل میں تعارض کی صورت میں تعدیل کو ترجیح ہوگی۔

(۶) احادیث کے صحیح ثابت ہونے پر قلت طرق اور کثرت طرق کا ایک ہی جیسا حکم ہوگا کسی کو متعددہ طرق کی وجہ سے ترجیح حاصل نہ ہوگی۔

(۷) حدیث مضطرب، جہاں سند و متن میں کمی بیشی ملے وہاں توقف ہوگا حتی کہ اصل ظاہر ہو جائے۔

رفع یدین نہ کرنے والوں کے دلائل:

پہلی دلیل:

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کو اکثر اصحاب سنن نے روایت کیا۔ وہ یہ ہے ''عن علقمه قال قال عبدالله بن مسعود رضی الله عنه الا أصلی بکم صلوة رسول الله ﷺ فصلی فلم یرفع یدیه الا فی اول مرة''[۱]

۱: ☆ ترمذی، ابواب الصلوۃ، باب رفع الیدین عند الرکوع، ج:۱، ص:۱۶۴، رحمانیہ

☆ ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع، ج:۱، ص:۱۱۸، رحمانیہ

☆ طحاوی، ج:۱، ص:۱۶۲، مطبوعہ، مکتبہ حقانیہ

☆ مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۱، ص:۲۳۶، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ

☆ مصنف عبدالرزاق، ج:۲، ص:۷۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ

☆ مجمع الزوائد، ج:۲، ص:۱۰۱، مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ

☆ سنن نسائی، کتاب الافتتاح، باب الرخصۃ فی ترک ذلک، ج:۱، ص:۱۶۱، رحمانیہ

ترجمہ: حضرت علقمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے کہا کیا میں تم کو رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ پڑھاؤں؟ پھر انہوں نے نماز پڑھائی اور صرف پہلی بار رفع یدین کیا۔

اس حدیث پر جتنے اعتراضات کیے گئے ہیں وہ لغو اور بے بنیاد ہیں اسی لیے اس حدیث کو ابن حزم نے صحیح قرار دیا اور ترمذی نے کہاں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

یہ روایت مسند ابوحنیفہ کے اندر ان الفاظ میں موجود ہے۔ اعتراضات امام صاحب کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔

"ان رسول اللہ ﷺ لایرفع یدیه الاعندافتتاح الصلوة ولایعود لشیء من ذلک"[1]

ترجمہ: بے شک رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہ کرتے تھے۔

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں۔

"عن علقمة عن عبداللہ بن مسعود قال صلیت مع النبی ﷺ ومع ابی بکر، ومع عمر رضی اللہ عنهمافلم یرفعواایدیهم الاعندالتکبیرة الاولی فی افتتاح الصلوة"[2]

ترجمہ: علقمہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی یہ سب نماز کے شروع میں صرف پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو اکثر علماء محدثین نے صحیح قرار

---

[1]: مسند ابوحنیفہ (امام اعظم) کتاب الصلوۃ، ص: ۵۰، رحمانیہ

[2]: ☆ سنن دار قطنی، ج:۱، ص: ۲۹۵، مطبوعہ نشر السنہ ملتان

☆ سنن بیہقی، ج:۲، ص: ۷۹، مطبوعہ، نشر السنہ، ملتان

☆ مجمع الزوائد، ج:۲، ص: ۱۰۱، مطبوعہ، دار لکتاب العربی، بیروت

☆ نصب الرایہ، ج:۱، ص: ۳۹۶، مطبوعہ مجلس علمی سورت، ھند

دیا ہے اور اس روایت کو اتنے محدثین نے نقل کیا ہے کہ اس کی سندیں امام بخاری و مسلم کے معیار کے مطابق ہیں لہٰذا ان میں ضعف کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی اسے ضعیف کہے تو یہ صرف بغض و فساد کی بنا پر ایسا کرے گا۔

دوسری دلیل:

حضرت براء ابن عازب کی روایت ہے جسے مختلف محدثین نے اپنی اپنی سندوں سے ذکر کیا ہے، "عن البراء بن عازب ان رسول الله ﷺ كان اذا افتتح الصلوة رفع يديه الى قريب من اذنيه ثم لا يعود[1]"

ترجمہ: حضرت براء ابن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھوں کو اس قدر بلند کرتے کہ وہ کانوں کے برابر ہو جاتے پھر رفع یدین نہ کرتے۔

امام ابوداؤد نے اس روایت کو تین طرق سے ذکر کیا ہے ان میں سے تیسرے طرق میں ایک راوی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ضعیف ہیں جبکہ پہلی دو سندوں کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

تیسری دلیل:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "عن النبی ﷺ قال لا ترفع الايدى الا فى سبع مواطن حين يفتتح الصلوة وحين يدخل المسجد الحرام فينظر الى بيت الله وحين يقوم على الصفا والمروة

---

[1]: ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع، ج:۱، ص:۱۱۸، رحمانیہ

☆ طحاوی، باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا، ج:۱، ص:۱۶۲، مکتبہ حقانیہ ملتان

☆ مصنف ابن ابی شیبہ، باب من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرہ ثم لا یعود، ج:۱، ص:۲۳۶

☆ سنن دار قطنی، باب ذکر التکبیر ورفع الیدین عند الافتتاح والرکوع والرفع عنہ واختلافات لروایات، ج:۱، ص:۱۱۰

والموقفين وحين يرمی الجمرة[1]"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سات مقامات کے علاوہ رفع یدین نہ کیا جائے، تکبیر تحریمہ، بیت اللہ میں داخل ہوتے وقت، صفا، مروہ، عرفہ کے دن، مزدلفہ میں، شیطان کو کنکریاں مارنے کے وقت۔

اس روایت سے بھی واضح ہو گیا کہ رکوع میں جاتے ہوئے اور اٹھتے ہوئے رفع یدین منسوخ ہے، اس روایت پر اعتراض کے مفتی اعظم پاکستان حضرت استاذی المکرم جناب مفتی محمد عبدالعلیم سیالوی صاحب مدظلہ نے "نماز کے مسائل" میں (ص:۱۱۳،۱۱۴،۱۱۵) مدلل جوابات دیئے ہیں۔

چوتھی دلیل:

حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جسے امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا "قال خرج علینا رسول اللہ ﷺ فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوة[2]"

ترجمہ: جابر بن سمرہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے (ہمیں رفع یدین کرتے دیکھ کر) فرمایا کیا ہے کہ میں تمہیں اس طرح رفع یدین کرتے ہوئے دیکھتا ہوں جیسے سرکش گھوڑے دم میں ہلاتے ہیں، نماز میں سکون اختیار کرو،

۱: ☆ معجم الکبیر للطبرانی، باب ذکر التکبیر و رفع الیدین عند الافتتاح والرکوع والرفع منہ واختلافات الروایات، ج:۱،ص:۱۱۰، المطبع الفاروقی، دہلی

☆ مصنف ابن ابی شیبہ، باب من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرة ثم لا یعود ج:۱،ص:۳۳۶،۳۳۷، القرآن اکیڈمی

☆ مجمع الزوائد، باب رفع الیدین فی الصلوة، ج:۲،ص:۱۰۲،۱۰۳، دار الکتاب العربی، بیروت

۲: ☆ مسلم، کتاب الصلوة، باب الامر بالسکون فی الصلوة والنہی عن الاشارة بالید ورفعها عند السلام، ج:۱،ص:۱۸۱، سعید کمپنی

☆ سنن نسائی، کتاب السہو، باب السلام بالایدی فی الصلوة، ج:۱،ص:۱۷۶، رحمانیہ

اعتراض:

امام بخاری اور ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سلام پھیرنے کے وقت رفع یدین کے متعلق ہے، عام رفع یدین کی ممانعت کے لیے نہیں ہے اگر عام رفع یدین کی ممانعت پر محمول کریں تو یہ ممانعت تکبیر تحریمہ، رفع فی الوتر اور عیدین کی تکبیروں کے رفع کو بھی منع کرے گی، لہٰذا یہ ممانعت خاص رفع یدین (یعنی سلام کے وقت) کی ہے ہر رفع یدین کی نہیں ہے اس کی تائید مسلم شریف کی ایک دوسری روایت (جو کہ حضرت جابر ابن سمرہ ہی کی ہے) سے ہوتی ہے۔

"عن عبیداللہ ابن القبطیہ عن جابر بن سمرۃ قال کنااذا صلینا مع رسول اللہ ﷺ قلنا السلام علیکم ورحمۃ اللہ السلام علیکم و رحمۃ اللہ واشار بیدہ الی الجانبین فقال رسول اللہ ﷺ علی ماتؤمون بایدیکم کانھا اذناب خیل شمس انما یکفی احد کم ان یضع یدہ علی فخذۃ ثم یسلم علی اخیہ من علی یمینہ وشمالہ"[۱]

ترجمہ: عبیداللہ ابن قبطیہ نے جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے اور بلند آواز سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے اور ہاتھوں سے سلام کے لیے اشارہ کرتے اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اپنے ہاتھوں کو ایسے کیوں ہلاتے ہو جیسے مست گھوڑں کی دمیں ہلتی ہیں۔ تمہارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تمہارے ہاتھ زانوں پر ہوں اور تم اپنے بھائی کی طرف دائیں بائیں سلام پھیرو۔

جواب:

تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین اور عیدین کے رفع یدین کو اس ممانعت کی زد میں لانا درست نہیں ہے کیونکہ تحریمہ رکن نماز نہیں بلکہ شرط ہے جو کہ نماز کے خارج اور لازم ہے تو خارج صلوۃ ہونے کی وجہ سے یہ اس ممانعت کی زد میں نہیں آتا اس لیے کہ ممانعت اس رفع

---

[۱]: مسلم، کتاب الصلوۃ، باب الامر بالسکون فی الصلوۃ، ج:۱،ص:۱۸۱، قدیمی

یدین کی ہے جو نماز کے اندر ہو۔ رہا وتروں اور عیدین کا رفع یدین تو وہ اختلافی مسئلہ ہی نہیں ہے وہ اس اختلاف سے خارج ہے رفع یدین کی ممانعت صرف پانچ وقتی نمازوں میں رکوع میں جاتے ہوئے اور اٹھتے وقت کے رفع میں ہے۔

ابن قبطیہ اور تمیم ابن طرفہ نے جو روایت حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے یہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں، ابن قبطیہ کی روایت میں خاص رفع یدین (عند السلام) کی ممانعت ہے جبکہ ابن طرفہ کی روایت میں عام رفع یدین کی ممانعت ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ان دونوں روایتوں کے راوی الگ الگ ہیں اور اس طرح اکثر ہوتا ہے کہ ایک صحابی سے الگ الگ مسائل کے متعلق کئی روایات مروی ہوتی ہیں اور ان کے راوی بھی مختلف ہوتے ہیں۔

دوسرا یہ ہے کہ ابن طرفہ کی روایت میں ''اسکنوا فی الصلوۃ'' کا جملہ مروی ہے جبکہ ابن قبطیہ کی روایت میں یہ نہیں ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حکم نماز کے درمیانی رفع یدین کی ممانعت کا ہے سلام کے وقت کے رفع یدین سے متعلق نہیں کیونکہ سلام کے وقت جو عمل کیا جائے وہ خروج من الصلوۃ کا عمل ہے اسے فی الصلوۃ نہیں کہا جاتا اس کی ممانعت اس طرح کرنی چاہیے تھی کہ سلام کے وقت رفع یدین نہ کرو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں۔

اسی طرح ان کے سیاق و سباق سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں روایتیں ایک ہی نہیں۔ اس لیے کہ ابن قبطیہ کی روایت میں یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے وقت السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے اور ہاتھ کا اشارہ بھی کرتے جبکہ ابن طرفہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس ایسے وقت میں تشریف لائے کہ ہم نماز میں رفع یدین کر رہے تھے تو آپ نے منع فرمایا اور نماز میں سکون اختیار کرنے کا حکم دیا۔

ان دلائل سے پتہ چلا کہ یہ دونوں مختلف واقعات ہیں دونوں کو ایک ہی شمار کر کے یہ کہنا کہ یہ ممانعت سلام کے وقت رفع یدین کی ہے سراسر باطل ہے۔

پانچویں دلیل:

حضرت عباد ابن زبیر کی روایت ہے جسے ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ''الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ'' میں نقل کیا ہے۔

''عن عباد بن الزبیر ان رسول اللہ ﷺ کان اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ فی اول الصلوۃ ثم لم یرفعھا فی شیء حتی یفرغ''[1]

ترجمہ: حضرت عباد ابن زبیر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز شروع فرماتے تو رفع یدین کرتے اور اس کے بعد نماز سے فارغ ہونے تک رفع یدین نہ کرتے۔

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اگرچہ یہ مرسل ہے لیکن جمہور کے نزدیک ثقہ راویوں اور قرون ثلثہ کی مراسیل قابل حجت ہیں۔ لہٰذا محض مرسل ہونے کی بناء پر اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

آثار صحابہ اور احناف کا مسلک:

احادیث مرفوعہ کے علاوہ احناف کے مسلک کی تائید بے شمار صحابہ اور تابعین کے آثار سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت عمر اور ترک رفع یدین:

حضرت اسود سے مروی ہے۔''قال رأیت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یرفع یدیہ فی اولِ تکبیرۃ ثم لایعود''[2]

ترجمہ: حضرت اسود نے فرمایا کہ میں نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے نماز کے شروع میں رفع یدین کیا دوبارہ نہیں کیا۔

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور وہ بخاری و مسلم کے رجال ہیں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ میں لکھا کہ اس حدیث کے تمام

1: نصب الرایہ، ج:۱،ص:۴۰۴، خلافیات للبیہقی ،ص:۲۱۰

2: ☆ طحاوی، کتاب الصلوۃ، باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع، ج:۱،ص:۱۶۴، مکتبہ حقانیہ

☆ مصنف ابن ابی شیبہ، باب من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لایعود، ج:۱،ص:۲۳۷، القرآن اکیڈمی

رجال ثقہ ہیں۔

حضرت علی المرتضٰی اور ترک رفع یدین:

’’عن عاصم ابن کلیب عن ابیہ ان علیا کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ من الصلوۃ ثم لا یرفع بعد[1]‘‘

ترجمہ: عاصم ابن کلیب اپنے والد کلیب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے اور اس کے بعد رفع یدین نہ کرتے۔

علامہ بدر الدین عینی، حافظ ابن حجر اور حافظ زیلعی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ترک رفع یدین:

’’عن ابراھیم النخعی قال کان عبد اللہ بن مسعود لا یرفع یدیہ فی شیء من الصلوۃ الا فی الافتتاح[2]‘‘

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز سے کسی شئے میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر اور ترک رفع یدین:

جن کی روایت کو دلیل بنا کر رفع یدین کے قائلین بڑا ناز کرتے ہیں ان کا اپنا عمل ترک رفع یدین تھا۔

’’عن مجاھد قال صلیت خلف بن عمر فلم یکن یرفع یدیہ الا فی

---

[1] : ☆ طحاوی، کتاب الصلوۃ، باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع، ج:۱، ص:۱۶۳ مکتبہ حقانیہ

☆ مصنف ابن ابی شیبہ، باب من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود، ج:۱، ص:۲۳۶، ادارۃ القرآن

[2] : ☆ طحاوی، کتاب الصلوۃ، باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع، ج:۱، ص:۱۶۴ مکتبہ حقانیہ

☆ مصنف ابن ابی شیبہ، باب من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود، ج:۱، ص:۲۳۶، ادارۃ القرآن

☆ مصنف عبد الرزاق، باب تکبیرۃ الافتتاح ورفع الیدین، ج:۲، ص:۷۱، مکتب اسلامی

التكبيرة الاولی من الصلوٰة" [۱]

ترجمہ: حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ میں نے عبداللہ ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی تو ان کو تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

اس حدیث کے رجال ہیں بخاری کے رجال ہیں تمام ثقہ ہیں۔

حضرت مجاہد، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ترک رفع یدین کا عمل نقل کرتے ہیں اور طاؤس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے رفع یدین عند الرکوع، عند الرفع کا عمل نقل کرتے ہیں۔ اس میں امام طحاوی نے اس طرح تطبیق دی ہے۔ حضرت ابن عمر شروع میں رفع یدین کرتے ہوں گے لیکن جب انہیں رفع یدین کے نسخ کا علم ہو گیا تو انہوں نے رفع یدین چھوڑ دیا۔ اسی طرح امام بیہقی نے (خلافیات، ج:۱ص:۲۱۰) میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے جس سے واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عبداللہ ابن مسعود، رضوان اللہ علیہم اجمعین جو کہ تمام صحابہ میں سے سب سے زیادہ فقیہہ ہیں ترک رفع یدین پر عمل کیا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ رفع یدین نہ کرنا افضل ہے۔

رفع یدین کرنے والوں کے دلائل:

قائلین رفع یدین کی سب سے بڑی اور عمدہ دلیل حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ "قال رأيت النبی ﷺ افتتح التكبير فی الصلوة فرفع يديه حين يكبر حتی يجعلهما حذو منكبيه واذا كبر للركوع فعل مثله واذا قال سمع الله لمن حمده فعل مثله ولا يفعل ذلک حين يسجد ولا حين يرفع

---

[۱]: ☆ طحاوی، کتاب الصلوۃ، باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع، ج:۱ص:۱۶۳ مکتبہ حقانیہ

☆ مصنف ابن ابی شیبہ، باب من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود، ج:۱ص:۲۳۷، ادارۃ القرآن

راسه عن السجود[1]"

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا جب آپ نماز شروع فرماتے تو تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے یہاں تک کہ دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک لے جاتے اور رکوع کی تکبیر کے وقت بھی ایسا ہی کرتے، جب "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے تو بھی رفع یدین کرتے اور سجدہ کرتے وقت اور سجدہ سے اٹھتے وقت رفع یدین نہ کرتے۔

اس حدیث کی صحت میں کسی کو کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایات میں تعارض ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا مشکل ہے سوائے اس کے کہ رفع یدین کو ترک کردیا جائے یہ روایت چھ طریقوں سے مروی ہے۔

پہلا طریق:

حضرت مجاہد کی روایت گذری کہ حضرت ابن عمر صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ آپ کے پاس اس مسئلہ میں کوئی مرفوع حدیث ضرور ہوگی جس کی بنا پر آپ نے ایسا کیا ہے، اس کی تائید ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے ہوتی ہے جسے امام حمیدی نے روایت کیا ہے۔ "عن سالم عن عبدالله بن عمر قال رأیت رسول الله ﷺ اذاافتتح الصلوة رفع یدیه حذو منکبیه واذا اراد ان یرکع وبعد مایرفع رأسه من الرکوع فلایرفع ولابین السجدتین[2]"

---

[1]: ☆ بخاری، کتاب الاذان، باب رفع الیدین اذا کبرواذا رکع واذا رفع، ج:۱،ص:۱۰۲، قدیمی

☆ مسلم، کتاب الصلوۃ، باب استحباب رفع الیدین حذوالمنکبین مع تکبیرۃ الاحرام الخ، ج:۱،ص:۱۶۸

☆ سنن نسائی، کتاب الافتتاح، باب رفع الیدین للرکوع حذوالمنکبین، ج:۱،ص:۱۵۸، رحمانیہ

☆ ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب رفع الیدین، ج:۱،ص:۱۰۴، رحمانیہ

☆ ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، باب رفع الیدین اذا رفع رأسہ من الرکوع، ص:۶۱، قدیمی

[2]: مسند حمیدی، ج:۲،ص:۲۷۷، عالم الکتب، بیروت

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے شروع کے وقت کندھوں تک رفع یدین کرتے اور رکوع کے وقت اور رکوع کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے اور نہ ہی دوسجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے تھے۔

دوسرا طریق:

مؤطا امام مالک کے اندر حضرت ابن عمر سے ایک مرفوع حدیث منقول ہے "ان رسول اللہ ﷺ کان اذاافتتح الصلوة رفع یدیہ حذو منکبیہ واذا رفع رأسہ من الرکوع رفعھما کذلک ایضاً[1]"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اسی طرح رفع یدین کرتے۔

اس روایت میں صرف دومرتبہ رفع یدین مذکور ہے ایک تکبیر تحریمہ کے وقت اور دوسرا رکوع سے اٹھتے وقت اور رکوع میں جاتے وقت رفع یدین کا ذکر اس روایت میں نہیں ہے۔

مؤطا امام مالک ہی کے ص۱۶ پر ابن عمر کا عمل بھی اسی روایت کے مطابق مروی ہے۔

تیسرا طریق:

صحاح ستہ میں حضرت عمر کی روایت میں تین جگہ رفع یدین کا ذکر ہے (۱) تکبیر تحریمہ، (۲) رکوع میں جاتے ہوئے، (۳) رکوع سے اٹھتے ہوئے۔ جیسا کہ پیچھے گزرا۔

چوتھا طریق:

بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت اس طرح مروی ہے کہ اس میں چار جگہ رفع یدین کا ذکر ہے (۱) تکبیر تحریمہ کے وقت، (۲) رکوع میں جاتے ہوئے، (۳) رکوع سے اٹھتے ہوئے، (۴) قعدہ اولیٰ سے اٹھتے وقت[2]۔

---

[1]: مؤطا امام مالک، باب افتتاح الصلوة، ص:۵۹، قدیمی

[2]: بخاری، کتاب الاذان، باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین، ج:۱، ص:۱۰۲، قدیمی

پانچواں طریق:

حافظ ہیثمی نے امام طبرانی کی معجم الاوسط کے حوالہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے جس کے اندر سجدہ میں جاتے وقت بھی رفع یدین کا ذکر ہے اسی طرح امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔[1]

اس طرح پانچ جگہ رفع یدین ثابت ہوتا ہے۔ (۱) تکبیر تحریمہ، (۲) رکوع (۳) رکوع سے اٹھتے ہوئے (۴) قعدہ اولیٰ سے اٹھتے وقت (۵) سجدہ میں جاتے وقت۔

چھٹا طریق:

امام طحاوی نے مشکل الآثار میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک مرفوع حدیث اس طرح روایت کی ہے جس میں ذکر ہے کہ "عند کل خفض ورفع ورکوع وسجود وقیام وقعود وبین السجدتین"[2]

اس طرح حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے رفع یدین کے بارے میں چھ طریقے ثابت ہوئے جو لوگ تیسرے طریق (یعنی تین جگہ رفع یدین) پر عمل کرتے ہیں اور باقی طرق کو چھوڑ دیتے ہیں جبکہ دوسرے طرق بھی قابل استدلال ہیں اور صحیح یا کم از کم حسن اسناد سے ثابت ہیں، وہ افراد احناف پر اعتراض کرنے سے پہلے اپنے گریبانوں میں جھانکیں، وہ لوگ کس بناء پر تیسرے طریق کو اپنائے ہوئے ہیں اور بقیہ سے اعراض کی وجہ؟

جبکہ احناف کے پاس پہلے طریق کو اپنانے کی معقول وجہ بھی موجود ہے جس سے باقی روایات کی توجیح بھی ہو جاتی ہے وہ اس طرح کہ افعال نماز میں غور کریں تو معلوم ہوگا کہ نماز کے احکام حرکت سے سکون کی طرف منتقل ہوتے رہے ہیں۔ مثلاً پہلے نماز میں کلام جائز تھا پھر منسوخ ہو گیا، پہلے عمل کثیر مفسد نماز نہیں تھا پھر اسے مفسد نماز قرار دے دیا گیا، پہلے نماز میں التفات (دائیں بائیں مڑ جانا) جائز تھا۔ پھر اسے منسوخ کر دیا گیا۔ اس سے

---

[1] مجمع الزوائد، باب رفع الیدین فی الصلوٰۃ، ج:۲، ص:۱۰۲، دار الکتاب العربی، بیروت

[2] فتح الباری، ج:۲، ص:۱۸۵، مطبوعہ، دار المعرفہ، بیروت

معلوم ہوا شروع میں رفع یدین بھی کثرت سے ہوتا تھا اور ہر رکن میں منتقل ہونے کے وقت مشروع تھا پھر اس میں کمی کی گئی صرف پانچ مقامات پر مشروع رہ گیا۔ پھر اور کمی کی گئی اور چار جگہ مشروع رہ گیا پھر اس میں کمی ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت باقی رہ گیا۔

اسی طرح رفع یدین کے ثبوت پر جتنی روایات ہیں خواہ مالک ابن الحویرث رضی اللہ عنہ کی وہ یا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی ہو یا وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی ہو تمام کو ہم مانتے ہیں لیکن منسوخ ہیں۔

ترک رفع یدین کی ترجیح کی وجوہات:

کئی وجوہات کی بناء پر احناف نے ترک رفع یدین کی روایات کو ترجیح دی ہے، چند ایک ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) ترک رفع یدین کی روایات قرآن کریم کے زیادہ موافق ہیں کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے ''وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ''[۱]

اس کا تقاضا ہے کہ نماز میں حرکت کم سے کم ہو لہٰذا جن احادیث میں حرکتیں کم ہوں گی وہ اس آیت کے زیادہ موافق ہوں گی۔

''قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ''[۲] کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو رفع یدین نہیں کرتے۔[۳]

(۲) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں کوئی اختلاف یا اضطراب نہیں، نہ ان کا عمل اس کے خلاف منقول ہے بلکہ آپ ترک رفع یدین پر سختی سے عمل کرتے تھے جبکہ حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایات میں اختلاف بھی ہے اور خود ان سے ترک

---

[۱]: البقرۃ:۲۳۸

[۲]: المومنون:۲

[۳]: تنویر المقباس تفسیر ابن عباس (مذکورہ آیت کے تحت)

رفع بھی ثابت ہے۔

(۳) احادیث کے تعارض کے وقت صحابہ کرام کے عمل کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے جب ہم اس پہلو سے دیکھتے ہیں تو حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل ترک رفع یدین پاتے ہیں اور یہ سارے حضرات صحابہ کرام کے علوم کا مرکز ہیں ان کے مقابلہ میں جن حضرات سے رفع یدین منقول ہے وہ زیادہ تر کمسن صحابہ ہیں جس طرح حضرت ابن عمر اور ابن زبیر ہیں۔

(۴) اہل مدینہ اور اہل کوفہ کا عمل صرف ترک رفع یدین پر رہا ہے جبکہ دوسرے شہروں میں رفع یدین کرنے والے اور نہ کرنے والے دونوں طرح کے لوگ موجود ہیں۔

(۵) ترک رفع یدین پر تواتر بالتعامل ہے یعنی ترک رفع یدین کی احادیث عملاً متواتر ہیں کیونکہ عالم اسلام کے دو بڑے مراکز مدینہ منورہ اور کوفہ ترک رفع یدین پر عمل کرتے رہے اسی لیے امام مالک نے اہل مدینہ کا عمل دیکھ کر رفع یدین ترک کر دیا تھا۔

(۶) نماز کی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے افعال حرکت سے سکون کی طرف منتقل ہوئے ہیں۔ اس سے بھی ترک رفع یدین کو ترجیح ہوتی ہے۔

(۷) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے تمام راوی فقیہ ہیں اور خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ رفع یدین کے تمام راویوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ فقیہ ہیں اور حدیث مسلسل بالفقہاء دوسری احادیث سے راجح ہوتی ہے۔

(۸) امام شعبی، امام ابراہیم نخعی اور ابواسحاق جو کثرت سے صحابہ کی زیارت کرنے والے تھے ان کا رفع یدین کو ترک کرنا یہ ایسے براہین اور دلائل واضحہ ہیں جن سے معلوم ہوا کہ ابتدائی ایام میں رفع یدین کیا جاتا تھا جو کہ منسوخ ہو چکا تھا صرف وہ حضرات جن تک نسخ کا حکم نہیں پہنچا تھا وہ پہلے پر عمل کرتے نظر آتے ہیں۔

فائدہ: غیر مقلدین "کان یرفع یدیہ" سے رفع یدین کا رسول اللہ ﷺ سے ہمیشہ کرنے کا استدلال کرتے ہیں۔ جبکہ ماضی استمراری کی اصل وضع ایک دفعہ کے فعل کے

لیے ہے اس سے مواظبت بطور نص ثابت نہیں ہوگی۔ البتہ قرائن اجتہادیہ سے کہیں مجتہد دوام مراد لیتا ہے اور کہیں دوام مراد نہیں لیتا۔ اس مسئلہ پر احناف کے ہاں سب قرآئن سے بڑا قرینہ خلفائے راشدین کا عمل اور خیر القرون کا عمل ہے۔

اگر ماضی استمراری میں اصل دوام ہے تو پھر قرآن وحدیث میں کئی ایسی مثالیں ہیں ماضی استمراری کا استعمال ہوا ہے حالانکہ وہاں دوام نہیں ہے جس طرح مسلم شریف کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز میں ''واللیل اذا یغشی'' پڑھا کرتے تھے ''کان یقرء'' ماضی استمراری ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ''کان یصلی'' بچی کو اٹھا کر نماز پڑھا کرتے تھے[1]

اسی طرح کان یقبل آپ روزہ کی حالت بیوی سے بوس وکنار کرتے تھے[2]۔ اس طرح کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں لیکن ان میں استمرار اور دوام نہیں اگر ہے تو پھر معترضین ان پر عمل کریں۔

چار رکعت نماز میں بائیس تکبیریں ہوتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے، عمیر ابن حبیب، ابن عباس، جابر بن عبداللہ، مسند احمد، ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات میں ماضی استمراری ہے، شیعہ ان پر عمل کرتے ہیں اور غیر مقلدین ان سے باغی کیوں؟ اتنی روایات سے جب سجدوں کے وقت رفع یدین ثابت ہے اور اس کے منسوخ ہونے کوئی دلیل غیر مقلدین کے پاس نہیں ہے پھر ان احادیث پر عمل کیوں نہیں؟

تنبیہ:

مسلمانو بچ کر رہنا! غیر مقلدین کے مولوی محمد یوسف جے پوری نے اپنی کتاب حقیقۃ الفقہ میں رفع الیدین کے بیان میں صاحب ہدایۃ اور شرح وقایہ پر محض جھوٹ اور

---

[1] : بخاری، ج:۱، ص:۷۴، مطبوعہ، قدیمی

[2] : بخاری، ج:۱، ص:۲۵۸، مطبوعہ، قدیمی

الزام لگایا ہے جتنے بھی حوالے دیئے ہیں غلط ہیں حقیقت سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے اس لیے کوئی مسلمان اس جھوٹ میں نہ پھنسے۔

غیر مقلدین سے چند سوالات:

رکوع سے پہلے ایک تکبیر ہے یا دو (ایک رفع یدین دوسری رکوع) اگر غیر مقلدین دو کہیں تو یہ حدیث کے بالکل خلاف ہے کیونکہ بخاری کی روایت میں چار رکعت کی بائیس تکبیریں مذکور ہیں[1]۔

اگر ایک تکبیر ہے تو وہ تو رکوع کی ہے اسے تکبیر انتقال کہتے ہیں تو رفع یدین بغیر تکبیر کے رہ گئی جبکہ بغیر ذکر کے ہاتھ اٹھانا کوئی عبادت نہیں۔

(۲) اگر کوئی بھول کر رکوع میں سجدہ کی تسبیح پڑھ لے تو سجدہ سہو لازم ہوگا یا نماز باطل ہوگی؟

(۳) رکوع کے اندر قرآن پڑھنا منع ہے کسی نے بھول کر کوئی آیت پڑھ لی تو سجدہ سہو لازم ہوگا یا نماز باطل ہوگی؟ حدیث سے دلیل دیں،

(۴) رکوع سے اٹھتے وقت امام تکبیر بلند آواز سے کہے اور مقتدی ومنفرد آہستہ کہیں اس فرق کی دلیل پیش کریں؟

(۵) مقتدی کا قومہ کی دعا بلند آواز سے پڑھنا نسائی میں موجود ہے غیر مقلدین کا عمل اس کے خلاف کیوں؟

(۶) قومہ کے اذکار فرض ہیں یا واجب یا سنت، صریح حکم حدیث سے دکھائیں۔

(۷) وتر کے قومہ میں دعا کی طرح ہاتھ اٹھا کر قنوت پڑھنا اور منہ پر ہاتھ پھیر کر سجدہ کرنا کس حدیث سے ثابت ہے؟

(۸) یہ کس حدیث میں ہے کہ ہر رفع یدین پر دس نیکیاں ہیں؟

---

[1] : بخاری، ج:۱،ص:۱۱۰، مطبوعہ، قدیمی

جس نے رکوع پالیا اس نے رکعت پالی:

جب مقتدی رکوع میں یا اس سے پہلے امام کے ساتھ مل گیا تو اس کی وہ رکعت ہوگئی۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا ''قال رسول اللہ ﷺ اذا جئتم الی الصلوۃ ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوھا شیئا ومن ادرک الرکعۃ فقد ادرک الصلوۃ''[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم نماز کے لیے آؤ اور ہمیں سجدہ میں پاؤ تو تم بھی سجدہ میں چلے جاؤ لیکن اسے کچھ شمار نہ کرنا اور جس نے رکوع پالیا اس نے نماز پالی۔

سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے پھر ہاتھ رکھے:

حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''رأیت رسول اللہ اذا سجد وضع رکبتیہ قبل یدیہ واذا نھض رفع یدیہ قبل رکبتیہ''[2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھتے اور جب اٹھتے تو گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کو اٹھاتے۔

جلسہ استراحت سنت نہیں ہے:

دونوں سجدوں سے فارغ ہوکر سیدھا کھڑا ہوجانا سنت ہے اگر بغیر عذر کے بیٹھے گا تو یہ خلاف سنت ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا ''کان النبی ﷺ ینھض فی الصلوۃ علی صدور قدمیہ''[3]

ترجمہ: نبی ﷺ نماز میں اپنے قدموں کے کناروں پر کھڑے ہوجاتے تھے۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اہل علم کے نزدیک

---

[1]: ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب الرجل یدرک الامام ساجدا کیف یصنع، ج:۱،ص:۱۳۷، رحمانیہ

[2]: ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب یضع رکبتیہ قبل یدیہ، ج:۱،ص:۱۲۹، رحمانیہ

[3]: ترمذی، ابواب الصلوۃ، باب کیف النھوض من السجود، ج:۱،ص:۱۶۹، رحمانیہ

حدیث ابو ہریرہ پر ہی عمل ہے وہ یہی پسند کرتے ہیں کہ نماز پڑھنے والا اپنے پیروں کے اگلے حصوں کے بل کھڑا ہو جائے۔

تمام اکابر صحابہ جو سفر و حضر میں زیادہ تر حضور ﷺ کے ساتھ رہتے تھے جلسہ استراحت کی نفی کرتے ہیں۔

حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابن زبیر اور حضرت ابو سعید خدری کی احادیث و آثار بھی جلسہ استراحت کی نفی میں ہیں۔[1]

غیر مقلدین سے سوالات:

(۱) کیا کسی صحیح صریح حدیث میں ہے کہ جلسہ استراحت سنت مؤکدہ ہے؟

(۲) کیا جلسہ استراحت میں کوئی ذکر بھی مسنون ہے یا نہیں؟

(۳) کیا جلسہ استراحت کے بعد تکبیر کہہ کر اٹھنا بھی کسی حدیث سے ثابت ہے؟

اگر جواب نفی میں ہے تو یہ سنت یا مستحب نہ ہوا۔ کیونکہ ہر اٹھنے، بیٹھنے کے وقت تکبیر کا حکم ہے جب جلسہ استراحت کے بعد تکبیر نہیں تو جو غیر مقلدین جلسہ استراحت کرتے ہیں وہ بھی نہیں ہے اور تکبیرات کی تعداد بائیس ہے اگر جلسہ استراحت مانا جائے تو ہر اٹھتے بیٹھتے تکبیر کا حکم ہے اس طرح تکبیرات کی تعداد چھبیس ہو جائے گی جو کہ بخاری شریف کی روایت کے خلاف ہے۔[2]

(۴) رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کے بعد سیدھا کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ آپ جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے۔[3]

تو پھر اس پر اتنی ضد کیوں؟

---

[1] : مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۱،ص:۳۹۴، نصب الرایہ، ج:۱،ص:۳۸۹

[2] : بخاری، ج:۱،ص:۹۸۶، مطبوعہ، قدیمی

[3] : ابوداؤد، ج:۱،ص:۱۰۷، مطبوعہ، رحمانیہ

قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ اوور ترک تورُّک:

قعدہ میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا رکھے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے۔ عورتوں کی طرح دونوں قدم سرینوں سے باہر دائیں طرف نکال کر نہ بیٹھے جیسا کہ کچھ لوگ کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع حدیث ہے "کان یقول فی کل رکعتین التحیة و کان یفرش رجله الیسری وینصب رجله الیمنی[1]"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ ہر دو رکعت میں التحیات پڑھتے تھے اور اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے تھے۔

امام ترمذی نے وائل ابن حجر کی مرفوع حدیث ذکر کی ہے۔[2]

تشہد کے الفاظ:

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "فاذا صلی احدکم فلیقل التحیات لله والصلوات والطیبات السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین اشهدان لااله الاالله واشهدان محمداعبده ورسوله[3]"

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو کہے ساری زبانی عبادتیں اور تمام بدنی عبادتیں اور ساری مالی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں اے نبی ﷺ! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں۔ سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے مستحق نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

---

[1]: مسلم، کتاب الصلوۃ، باب ماتجمع صفة الصلوۃ ما یفتتح بہ الخ، ج:۱، ص:۱۹۴، قدیمی

[2]: ترمذی، ابواب الصلوۃ، باب کیف الجلوس فی التشہد، ج:۱، ص:۱۷۰، رحمانیہ

[3]: ☆ بخاری، کتاب الاذان، باب التشہد، ج:۱، ص:۱۱۵، قدیمی

☆ مسلم، کتاب الصلوۃ، باب التشہد فی الصلوۃ، ج:۱، ص:۱۷۳، قدیمی

اشارہ سبابہ اور اس اشارہ کے سوا انگلی کو حرکت نہ دینا سنت ہے:

حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا "رأیت النبی ﷺ قد حلق الابهام والوسطی ورفع التی تلیها یدعوبهافی التشهد"[۱]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے حلقہ بنایا اور اس انگلی کو اٹھایا جو ان دونوں سے ملی ہوئی تھی (یعنی شہادت کی انگلی) اس سے تشہد میں اشارہ کرتے۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر کی مرفوع حدیث ہے "کان النبی ﷺ یشیر اصبعه اذا دعا ولا یحرکها"[۲]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ جب تشہد پڑھتے اپنی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور اسے حرکت نہیں دیتے تھے۔

محدث نووی نے فرمایا "رواه ابوداؤد باسناد صحیح" ابوداؤد نے اسے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

وائل ابن حجر کی حدیث میں "ثم رفع اصبعه فرأیته یحرکها"[۳]

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے اپنی انگلی اٹھائی تو میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ انگلی کو حرکت دے رہے تھے۔

ان دونوں روایتوں میں مطابقت اس طرح ہے تحریک سے اشارہ کی حرکت مراد ہے دوسری حرکت مراد نہیں۔ اس طرح حرکت والی حدیث اشارہ کی حرکت پر محمول ہے اور نفی حرکت والی حدیث دوسری حرکت کی نفی پر محمول ہے۔[۴]

---

[۱]: ابن ماجہ، ابواب اقامۃ الصلوات والسنۃ فیھا، باب الاشارۃ فی التشھد، ص:۶۵، قدیمی

[۲]: ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب الاشارۃ فی الصلوۃ، ج:۱، ص:۱۵۰، رحمانیہ

[۳]: نسائی، کتاب السھو، باب قبض الثنتین من اصابع الید الیمنی وعقد الوسطی والابھام منھا، ج:۱، ص:۱۸۷، رحمانیہ

[۴]: بذل المجھود، ج:۲، ص:۱۲۷، مکتبہ قاسمیہ، ملتان

امام مقتدیوں کا ضامن ہے:

مقتدیوں کی نماز کے صحیح ہونے کا ضامن امام ہے کیونکہ مقتدیوں کی نماز امام کے تابع ہوتی ہے اگر کوئی مقتدی رکوع میں امام کو ملے تو اس کی اس رکعت کا ضامن بھی امام ہے اور قرأت قرآن اور فاتحہ کا بھی ضامن ہے اگر امام کی طہارت اور نماز اعلیٰ درجہ کی ہوگی تو اسے اور اس کے مقتدیوں کو ثواب بھی زیادہ ملے گا اور اگر طہارت اور نماز میں کوتاہی کی، یا بعض ارکان یا شرائط چھوڑ دے تو امام ان کی نماز کا ذمہ دار اور قصوروار ہے اور امام کی نماز نہ ہونے سے مقتدیوں کی نماز بھی نہیں ہوگی جس طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے "قال رسول اللہ ﷺ الامام ضامن والمؤذن مؤتمن"[۱]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام ضامن ہے اور موذن امین ہے۔

نماز وتر واجب ہے:

عشاء کی نماز کے بعد سے لے کر طلوع فجر سے پہلے کسی بھی وقت نماز وتر پڑھنا واجب ہے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا"[۲]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ نماز وتر حق ہے جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

وتر کی رکعات کی تعداد:

کوئی نماز ایسی نہیں جو دو رکعت سے کم ہو ایسے ہی وتر بھی کم از کم تین رکعات ہیں جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "ان النبی ﷺ کان یقرء فی

---

[۱]: ترمذی، ابواب الصلوۃ، باب ماجاء ان الامام ضامن والمؤذن مؤتمن، ج:۱، ص:۱۵۰، رحمانیہ

[۲]: ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب فی من لم یوتر، ج:۱، ص:۲۱۰، رحمانیہ

الاولیٰ من الوتر بفاتحة الکتاب وسبح اسم ربک الاعلی وفی الثانیة قل یاایہا الکفرون وفی الثالثہ قل ھو اللہ احد[۱]"

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ اور سبح اسم ربک الاعلی اور دوسری رکعت میں قل یاایہا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔

حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنھم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنھما فرماتے ہیں "کان رسول اللہ ﷺ یصلی من اللیل ثمان رکعات ویوتر بثلاث ویصلی رکعتین قبل صلوۃ الفجر[۲]"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ وہ رات تہجد کی آٹھ رکعات پڑھتے پھر تین وتر پڑھتے اور فجر کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے۔

اس طرح تین رکعت پر علماء امت کا اجماع ہے لہٰذا عقلمندی اور احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ تین رکعات وتر پڑھے جائیں۔

حضرت ابو سلمہ ابن عبدالرحمٰن ابن عوف سے مروی ہے "انہ سأل عائشة رضی اللہ عنہا کیف کان صلوۃ رسول اللہ ﷺ فی رمضان قالت ماکان رسول اللہ ﷺ یزید فی رمضان ولافی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعة یصلی اربعافلا تسئل عن حسنہن وطولہن ثم یصلی اربعافلا تسئل عن حسنہن وطولہن ثم یصلی ثلاثاقالت عائشة فقلت یارسول اللہ ﷺ اتنام

۱: ☆ ترمذی، ابواب الوتر، باب ماجاء مایقرأ فی الوتر، ج:۱، ۲:۲۱۷، رحمانیہ

☆ نسائی، ج:۱، ص:۲۴۸، رحمانیہ

۲: نسائی کتاب قیام اللیل وتطوع النہار، باب الوتر، ج:۱، ص:۲۴۹، رحمانیہ

قبل ان توتر فقال یاعائشة ان عینی تنا مان ولا ینام قلبی[1]"

ترجمہ: انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رمضان المبارک میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کیسی ہوتی تھی؟ تو حضرت عائشہ نے جواب دیا "رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے پہلے چار رکعتیں پڑھتے پس کچھ نہ پوچھو کتنی حسین اور طویل ہوتی تھیں پھر چار رکعات پڑھتے پس کچھ نہ پوچھو کتنی حسین اور طویل ہوتی تھیں پھر تین رکعتیں پڑھتے تھے۔

امام ترمذی اور امام حاکم نے سعد ابن ہشام سے روایت کیا ہے۔

"ان عائشة رضی الله عنها حدثته ان رسول الله ﷺ کان لایسلم فی رکعتی الوتر[2]"

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ وتر کی رکعات تین ہی احادیث کے عین مطابق ہیں۔

فائدہ: اس روایت کو دلیل بنا کر جو لوگ آٹھ تراویح پڑھتے ہیں وہ اپنی عقل سے سوچیں کہ تراویح صرف رمضان میں ہوتی ہے یا سارا سال؟ پھر تراویح دو دو رکعات پڑھی جاتی ہیں یا چار چار؟ لہٰذا اس روایت کو نماز تراویح پر دلیل پیش کرنا کم علمی کی علامت ہے یہ تو نماز تہجد کے متعلق ہے۔

۱: ☆ بخاری، کتاب التہجد، باب قیام النبی ﷺ باللیل فی رمضان وغیرہ، ج:۱،ص:۱۵۴، قدیمی

☆ مسلم، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی الخ، ج:۱،ص:۲۵۴، قدیمی

☆ نسائی، کتاب قیام اللیل وتطوع النہار باب کیف الوتر بثلث، ج:۱،ص:۲۴۸، رحمانیہ

۲: ☆ نسائی، کتاب قیام اللیل وتطوع النہار، باب کیف الوتر بثلاث، ج:۱،ص:۲۴۸، رحمانیہ

☆ مستدرک للحاکم، ک:۱،ص:۳۰۴، مطبوعہ، دار الباز، مکہ مکرمہ

نماز تراویح

نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "ان اللہ تبارک و تعالیٰ فرض صیام رمضان علیکم و سننت لکم قیامہ"[1]

ترجمہ: اللہ نے تمہارے اوپر رمضان کے روزے فرض کر دیئے ہیں اور میں نے تمہارے لیے رمضان کا قیام (یعنی تراویح) مسنون کر دیا ہے۔

ائمہ اربعہ (امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد ابن حنبل) اور جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ رمضان شریف میں تہجد اور وتر کے علاوہ بیس رکعات تراویح ہیں امام مالک رحمتہ اللہ علیہ اگرچہ چھتیس رکعات قیام کرتے ہیں لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل مکہ کا معمول بیس رکعات تراویح پڑھنے کا تھا لیکن وہ ہر ترویحہ کے درمیان ایک طواف کیا کرتے تھے اہل مدینہ چونکہ طواف نہیں کر سکتے تھے اس لیے انہوں نے اپنی نماز میں ایک طواف کی جگہ چار رکعات بڑھا دیں۔ اس طرح ان کی تراویح میں اہل مکہ کے مقابلہ میں سولہ رکعتیں زیادہ ہو گئیں، (اس تحقیق کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ زائد رکعات کو اکیلے اکیلے بغیر جماعت کے پڑھتے تھے اور کبھی کبھی ان سولہ رکعتوں کو اہل مدینہ اخیر شب میں بھی پڑھتے تھے) اس سے معلوم ہوا کہ اصل امام مالک کے نزدیک بھی رکعات تراویح بیس تھیں۔ گویا تراویح کی بیس رکعات پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے۔

بیس رکعات تراویح کے دلائل:

حضرت عبداللہ ابن عباس کی مرفوع حدیث ہے "ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر"[2]

---

[1]: نسائی، کتاب الصیام، باب ثواب من قام رمضان وصامہ ایمانا واحتسابا، ج:۱، ص:۳۰۸، رحمانیہ

[2]: ☆ المطالب العالیہ، باب قیام رمضان، ج:۱، ص:۱۴۶، رقم:۵۳۶، مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ

☆ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلوٰۃ، ج:۲، ص:۳۹۴، ادارۃ القرآن

☆ سنن کبریٰ للبیہقی، ج:۲، ص:۴۹۶، مطبوعہ نشر السنہ، ملتان

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ وتر کے علاوہ رمضان میں بیس رکعات پڑھا کرے تھے۔

اس حدیث کو امام ابن شیبہ اور امام بیہقی نے جس سند سے ذکر کیا ہے اس میں ایک راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان ضعیف ہے اس وجہ سے مخالفین اس حدیث پر ضعیف کا الزام لگاتے ہیں حالانکہ اس سے امام اعظم ابوحنیفہ نے استدلال کیا ہے اور آپ کی سند میں کوئی ضعف نہیں ہے۔

چنانچہ مجتہد کسی دلیل سے اجتہاد کرے تو وہ استدلال اس حدیث کی صحت دلیل ہوتا ہے جیسا کہ امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں "وکفانا صحة الحدیث استدلال مجتهد به" کسی حدیث کی صحت کے لیے ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ اس سے کسی مجتہد نے استدلال کیا ہو۔[1]

اس حدیث سے تمام ائمہ مجتہدین نے استدلال کیا ہے۔

حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضی الله عنه فی شهر رمضان بعشرین رکعة"[2]

ترجمہ: حضرت عمر کے زمانہ میں لوگ ماہ رمضان میں بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے "ان علیا دعا القراء فی رمضان فامر رجلا ان یصلی بالناس عشرین رکعة و کان علی یوتر بهم."[3]

۱: میزان الشریعۃ الکبریٰ، ج:۱،ص:۷۰، مطبوعہ، مصطفیٰ البابی واولاد، مصر

۲: ☆ سنن کبریٰ بیہقی، ج:۲،ص:۴۹۶، مطبوعہ، نشرالسنہ، ملتان

☆ فتح الباری، ج:۵،ص:۱۵۷، دارالمعرفہ، بیروت

۳: ☆ سنن کبریٰ للبیہقی، کتاب الصلوٰۃ، ج:۲،ص:۴۹۶، نشرالسنہ، ملتان

☆ معرفۃ السنۃ للبیہقی، ج:۱،ص:۴۷۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان المبارک میں قراء کو بلایا پس ان میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وتر انہیں خود پڑھاتے تھے۔

حضرت سائب ابن یزید فرماتے ہیں "کانوا یقرء ون بالمئین و کانوا یتو کئون علی عصیھم فی عھد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ من شدۃ القیام.[1]"

ترجمہ: وہ لوگ تراویح میں کئی سو آیتیں پڑھتے تھے اور حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں شدت قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے۔

حضرت یحییٰ ابن سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ان عمر بن الخطاب امر رجلا یصلی بھم عشرین رکعۃ[2]"

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ انہیں (صحابہ و تابعین) کو بیس رکعات نماز (تراویح) پڑھائے۔

امام بخاری، امام ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وصال سے پہلے سال صحابہ کرام کے ساتھ رمضان المبارک کی تیئس (۲۳)، پچیس (۲۵) اور ستائیس (۲۷) کی شب کو قیام فرمایا اس کے بعد جب صحابہ جمع ہوئے تو آپ تشریف نہ لائے اور فرمایا مجھے صرف اس بات کا خوف تھا کہ کہیں یہ تمہارے اوپر فرض نہ کردی جائے اس لیے میں نہیں آیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے وصال تک معاملہ یوں ہی رہا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پورے دور خلافت اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی ایام میں لوگ اسی طرح الگ نماز پڑھتے رہے حضرت عبدالرحمٰن ابن عبدالقاری فرماتے ہیں کہ میں ماہ رمضان کی ایک شب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں

---

[1] : سنن کبریٰ للبیہقی، ج:۲،ص:۴۹۶،نشر السنہ، ملتان

[2] : مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۲،ص:۳۹۳،ادارۃ القرآن اکیڈمی

گیا تو دیکھا کہ لوگ اکیلے اکیلے تراویح پڑھ رہے تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا ہی اچھا ہو اگر میں انہیں ایک امام کی اقتداء میں جمع کر دوں پھر جب دوسری رات میں حضرت عمر فاروق کے ساتھ گیا تو دیکھا کہ لوگ ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''نعم البدعة هذه'' یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے۔[۱]

اب رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل سے ثابت ہوا کہ تراویح بیس رکعات ہیں کیونکہ جب حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے بیس رکعات پڑھانے کا حکم دیا تو اگر یہ رسول اللہ ﷺ کے حکم اور عمل کے خلاف ہوتا تو صحابہ کرام کبھی بھی ایسا نہ کرتے تو ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کا بھی بیس رکعات پر اجماع ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ کا فرمان بیس رکعات کا، صحابہ کا اجماع بیس رکعات پر ائمہ اربعہ کا اجماع بیس رکعات پر تو پھر کسی کو اعتراض کرنے کی جرأت کیسے ہوتی ہے؟ اعتراض کرنے والے سے گزارش ہے کہ وہ آٹھ رکعات کے بارے میں دلیل دے اگر وہ حضرت عائشہ صدیقہ والی روایت پیش کرے تو وہ تراویح کے بارے میں نہیں ہو سکتی وہ تہجد کے بارے میں ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے مان لیا جائے کہ تراویح کے بارے میں ہے تو بھی اس حدیث کے اندر اضطراب ہے ایک روایت میں تیرہ (۱۳) رکعات کا ذکر ہے، دوسری میں گیارہ (۱۱) کا تیسری میں نو (۹) کا، اس طرح وتر کی تین رکعات کو الگ کر لیں تو باقی دس (۱۰)، آٹھ (۸) اور چھ (۶) رکعات بچتی ہیں۔ اب بھی استدلال کرنا آٹھ رکعات اور اس پر بضد رہنا محض تعصب ہو سکتا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ کہیں تراویح اور تہجد کو ایک ہی چیز نہ سمجھ لیا جائے ان میں فرق ہے۔ وہ اس طرح کہ تراویح کی نماز رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی اور خلفائے راشدین

---

[۱]: ☆ ترمذی، کتاب الصلوۃ، باب ما جاء فی شہر رمضان، ج:۱، ص:۲۸۷، رحمانیہ

☆ بخاری، کتاب الصوم، باب فضل من قام رمضان، ج:۱، ص:۲۶۹، قدیمی

کے دور میں بھی ہمیشہ اول شب میں پڑھی گئی ہے جبکہ تہجد کی نماز آخر شب میں پڑھی جاتی ہے۔اسی طرح نماز تہجد رمضان میں بھی پڑھی جاتی ہے اور رمضان کے علاوہ بھی جبکہ تراویح صرف رمضان میں ہوتی ہے۔

تراویح کی جماعت ثابت ہے جبکہ تہجد کی جماعت نہیں ہے۔

تہجد کی تعداد معین نہیں ہے چار (۴) سے لے کر دس (۱۰) رکعات پڑھنا ثابت ہے اور تراویح کی رکعات کی تعداد معین ہے تو معین اور غیر معین کو ایک ہی چیز قرار دینا درست نہیں ہے۔

فائدہ:

لغت کے اعتبار سے بھی تراویح آٹھ رکعات نہیں ہو سکتی کیونکہ تراویح، ترویحہ کی جمع ہے اور عربی لغت میں جمع کا اطلاق دو سے زیادہ پر ہوتا ہے، ترویحہ کا معنی ہے آرام پانا، سکون پانا، ایک ترویحہ چار رکعات کے بعد ہوتا ہے۔تو لامحالہ تراویح آٹھ رکعات سے زائد ہوگی۔

دونمازوں کو جمع کرنا

دونمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنے کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) جمع تقدیمی: ظہر اور عصر دونوں کو ظہر کے وقت یا مغرب اور عشاء دونوں کو مغرب کے وقت میں پڑھنا۔

(۲) جمع تاخیری: ظہر اور عصر دونوں کو عصر کے وقت یا مغرب اور عشاء دونوں کو عشاء کے وقت میں پڑھنا۔

(۳) جمع صوری / ظاہری: ظہر و عصر اور مغرب و عشاء میں سے ہر نماز کو اپنے وقت میں ادا کرنا صرف پہلی نماز کو مسنون کی بجائے آخری وقت میں اور دوسری نماز کو مستحب وقت کی بجائے اول وقت میں ادا کرنا۔

اس طرح دیکھنے والا سمجھے گا کہ اس نے ظہر اور عصر کو ایک وقت میں اور مغرب اور عشاء کو ایک وقت میں ادا کیا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ہر نماز اپنے اپنے وقت میں ادا کی گئی ہے یہ صورۃً جمع ہے حقیقۃً جمع نہیں ہے۔

میدانِ عرفات میں ظہر اور عصر کو جمع تقدیمی کے ساتھ اور مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع تاخیری کے ساتھ ادا کرنا بالاجماع واجب ہے۔[1]

ان دو مقامات کے علاوہ جمع تقدیمی اور تاخیری کی کوئی صورت جائز نہیں ہے البتہ سفر میں جمع صوری کی اجازت ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں: "کان رسول الله ﷺ فی السفر یؤخر الظهر ویقدم العصر ، یؤخر المغرب ویقدم العشاء"[2]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ سفر میں ظہر کو مؤخر کرتے اور عصر کو مقدم کرتے، مغرب کو

---

[1]: نسائی، کتاب المواقیت، باب الجمع بین الظہر والعصر بعرفۃ، ج:۱، ص:۱۱۰، رحمانیہ

[2]: طحاوی، کتاب الصلوٰۃ، باب بین صلوتین کیف ھو، ج:۱، ص:۱۲۲، مکتبہ حقانیہ، ملتان

مؤخر کرتے اور عشاء کو مقدم کرتے تھے۔ (یہی جمع صوری ہے)

حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں ''ان للصلوۃ وقتا کوقت الحج''[1] کہ حج کے وقت کی طرح نماز کا بھی وقت مقرر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''ان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا''[2]

ترجمہ: بے شک نماز مومنوں پر ایک وقت مقررہ میں فرض کی گئی۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''ما رأیت النبی ﷺ صلی صلوۃ بغیر میقاتها الا صلوتین جمع بین المغرب والعشاء.''[3]

ترجمہ: کہ میں نے کبھی بھی نبی کریم ﷺ کو نہیں دیکھا کہ آپ نے نماز کے اصلی وقت کے بغیر کوئی نماز پڑھی ہو ہاں وہ نمازیں کہ موسم حج میں آپ ﷺ مغرب اور عشاء اور فجر کی نماز کو معمول کے وقت سے پہلے ادا کرتے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ شفق کے غائب ہونے کے وقت سواری سے اترے پھر مغرب کی نماز پڑھی پھر انتظار کیا یہاں تک کہ شفق غائب ہوگئی تو عشاء پڑھی پھر فرمایا ''ان رسول اللہ ﷺ کان اذا عجل به امر صنع مثل الذی صنعت''[4]

ترجمہ: کہ رسول اللہ ﷺ کو اگر کوئی جلدی کا معاملہ پیش آجاتا تو ایسے ہی کرتے جیسے میں نے کیا۔

۱: تفسیر ابن کثیر، ص:۴۳۲، سورۃ النسآء

۲: النسآء، ۱۰۳

۳: بخاری، کتاب المناسک، باب متی یصلی الفجر بجمع، ج:۱، ص:۲۲۸، قدیمی

۴: ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب الجمع بین الصلوتین، ج:۱، ص:۱۷۹، رحمانیہ

دعا کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”قال رسول اللہ ﷺ لیس شیء اکرم علی اللہ تعالی من الدعاء[1]“

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی بارگاہ میں دعا سے زیادہ کوئی چیز محترم و مکرم نہیں ہے۔

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ”ان رسول اللہ ﷺ قال الدعاء مخ العبادۃ[2]“

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دعا عبادت کا مغز (یعنی خلاصہ اور نچوڑ) ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی دوسری روایت ہے ”قال رسول اللہ ﷺ الدعاء لایرد بین الاذان والاقامۃ[3]“

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اذان اور اقامت کے درمیان مانگی جانے والی دعا رد نہیں ہوتی۔

حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ ”ان رسول اللہ ﷺ قال ان اسرع الدعاء اجابۃ دعوۃ غائب لغائب[4]“

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دعاؤں میں سب سے جلدی قبول ہونے والی دعا وہ ہے جو ایک غائب شخص (اخلاص کے ساتھ) دوسرے غائب شخص کے لیے کرے۔

---

[1]: ترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللہ، باب ماجاء فی فضل الدعا، ج:۲، ص:۶۴۷، رحمانیہ

[2]: ترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللہ، باب ماجاء فی فضل الدعا، ج:۲، ص:۶۴۷، رحمانیہ

[3]: ترمذی، کتاب الصلوۃ، باب ماجاء فی ان الدعاء لایرد بین الاذان والاقامۃ، ج:۱، ص:۱۵۲، رحمانیہ

[4]: ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب الدعا بظہر الغیب، ج:۱، ص:۲۲۵، رحمانیہ

دعامیں ہاتھ اٹھانا

دعامانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھائے پھر دعا کے بعد دونوں کو چہرے پر پھیرے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ "دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم رفع یدیه ورأیت بیاض ابطیه[۱]"

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک بغلوں کی سفیدی دیکھی۔

حضرت انس سے بھی اسی طرح کی روایت ہے۔[۲]

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع یدیه فی الدعاء لم یحطهما حتی یمسح بهما وجهه[۳]"

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تو اپنے چہرہ (اقدس) پر پھیرنے سے پہلے (ہاتھ) نیچے نہ کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دعوت اللہ فادع ببطون کفیک ولا تدع بظهورهما فاذا فرغت فامسح بهما وجهک[۴]"

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ سے دعا کرو تو اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے دعا کرنہ کہ ان کی پشت سے اور جب دعا سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے ہاتھوں کو منہ پر مل لو۔

۱: ☆ بخاری، کتاب الدعوات، باب رفع الایدی فی الدعا، ج:۲، ص:۹۳۸، قدیمی

☆ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ اوطاس، ج:۲، ص:۹۶، قدیمی

۲: بخاری، کتاب الدعوات باب رفع الایدی فی الدعا، ج:۲، ص:۹۳۸، قدیمی

۳: ترمذی، ابواب الدعوات، باب ماجاء فی رفع الایدی عند الدعا، ج:۲، ص:۱۷۶، رحمانیہ

۴: ابن ماجہ کتاب الدعا، باب رفع الیدین فی الدعاء، ص:۲۷۵، قدیمی

فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کا بیان

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''قیل لرسول اللہ ﷺ ای الدعاء اسمع؟ قال جوف اللیل الاخر و دبر الصلوٰت المکتوبات''[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ کس وقت دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ فرمایا کہ رات کے آخری حصہ میں (کی گئی دعا) اور فرض نمازوں کے بعد (کی گئی دعا جلد مقبول ہوتی ہے)

''عن قتادة و الضحاک و مقاتل فی قوله تعالیٰ ''فاذافرغت فانصب'' ای اذافرغت من الصلوة المکتوبة فانصب الی ربک فی الدعاء و ارغب الیه فی المسالة یعطک''[2]

ترجمہ: حضرت قتادہ، ضحاک اور مقاتل اللہ تعالیٰ کے قول (فاذافرغت فانصب) میں بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد ہے جب آپ فرض نماز سے فارغ ہو جائیں تو اپنے آپ کو اپنے رب کی طرف دعا کرنے میں مشغول کریں اور سوال کرنے (مانگنے) میں اسی کی طرف راغب ہو وہ آپ کو عطا فرمائے گا۔

حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''قال رسول اللہ ﷺ الصلوة مثنی مثنی تشهد فی کل رکعتین و تخشع و تضرع و تمسکن و تذرع و تقنع یدیک تقول ترفعهما الی ربک مستقبلا ببطونهما وجهک و تقول یارب یارب و من لم یفعل ذلک فهو کذا و کذا''[3]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز (نفل) دو دو رکعتیں ہیں ہر دو رکعت کے بعد تشہد ہے، خشوع و خضوع، سکون اور اپنے رب کی طرف ہاتھوں کو اس طرح اٹھانا کہ ان کا

---

[1] : ترمذی، ابواب الدعوات عن رسول اللہ، باب ماجاء فی جامع الدعوات عن رسول اللہ، ج:۲، ص:۶۷۰، رحمانیہ

[2] : تفسیر کبیر، الجزء الثانی والثلاثون، سورۃ الم نشرح، ج:۷، ۸، ص:۷، دارالکتب العلمیہ، تہران

[3] : ترمذی، ابواب الصلوة عن رسول اللہ، باب ماجاء فی التخشع فی الصلوة، ج:۱، ص:۱۹۶، رحمانیہ

اندرونی حصہ منہ کی جانب رہے اور پھر کہنا اے رب! اے رب! جس نے ایسا نہ کیا وہ ایسا ہے وہ ایسا ہے۔

اب ان لوگوں سے سوال ہے جو فرض نمازوں کے بعد دعا سے روکتے ہیں کہ وہ کس بناء پر مسلمانوں کو دعا کرنے سے روک رہے ہیں کیا اللہ سے مانگنا بدعت ہے؟ یا رسول اللہ ﷺ نے نماز کے بعد دعا کرنے سے تمہیں روکا ہے؟ اگر ایسا نہیں تو خدارا خود بھی اپنے آپ کو گمراہی سے بچائیں اور دوسروں کو بھی گمراہ نہ کریں۔

وَاِذَا سَئَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ
اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ
(البقرۃ:۱۸۶)

نماز جنازہ کا بیان

نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ:

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میں نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میت پر نماز جنازہ کس طرح پڑھی جائے؟ تو امام صاحب نے فرمایا جب جنازہ رکھ دیا جائے تو امام آگے بڑھ جائے اور لوگ پیچھے صفیں باندھ لیں، امام رفع یدین کر کے تکبیر کہے اور لوگ بھی اس کے ساتھ رفع یدین کر کے تکبیر کہیں۔ پھر اللہ کی حمد و ثناء کریں۔ پھر امام اور لوگ بغیر رفع یدین کے دوسری تکبیر کہیں اور نبی ﷺ پر درود پڑھیں پھر امام اور لوگ بغیر رفع یدین کے تیسری تکبیر کہیں اور میت کے لیے استغفار اور شفاعت کریں، پھر امام اور لوگ بغیر رفع یدین کے چوتھی تکبیر کہیں اور امام دائیں اور بائیں سلام پھیر دے اور لوگ بھی (امام محمد نے کہا) میں نے پوچھا کیا حمد و ثناء، درود شریف، اور میت کے لیے دعا بلند آواز سے پڑھی جائے؟ تو امام صاحب نے فرمایا نہیں ان میں سے کسی کو بلند آواز سے نہ پڑھو بلکہ آہستہ۔ میں نے پوچھا کیا امام اور اس کے پیچھے مقتدی قرآن پڑھیں؟ تو امام صاحب نے فرمایا کہ امام قرأت کرے اور نہ ہی اس کی اقتداء میں مقتدی قرأت کریں[1]۔

نماز جنازہ میں قیام اور چار تکبیریں فرض ہیں اس پر اجماع امت ہے۔ پہلی تکبیر کے بعد حمد و ثناء، دوسری کے بعد درود شریف، اور تیسری تکبیر کے بعد میت کے لیے دعا کرنا مستحب ہے، ثناء، درود شریف اور استغفار کے لیے جو کلمات منقول ہیں ان میں سے کوئی بھی پڑھ لیے جائیں جائز ہیں۔

ثناء میں خواہ مروجہ ثناء (**سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک وجل ثناء ک ولآ الہ غیرک**) پڑھی جائے جو کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ابن ابی شیبہ، ابن مردویہ اور حافظ شجاع نے

---

[1]: المبسوط، ج:۱،ص:۴۲۳،۴۲۴، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی

کتاب الفردوس میں روایت کی ہے۔

یا کوئی اور کلمات ثناء پڑھے جائیں دونوں جائز ہیں۔

اور درود شریف جس میں رحم کے الفاظ ہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے "وارحم محمدوال محمد کما رحمت علی ابراھیم و علی ال ابراھیم انک حمید مجید" اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے "وارحم محمد وال محمد کماصلیت وبارکت وترحمت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انک حمید مجید"[1]

مذکورہ درود پڑھیں یا نماز والا درود پڑھیں دونوں جائز ہیں۔ مذکورہ کلمات کو خلاف سنت اور بدعت کہنا کم علمی کی علامت ہے۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوابراہیم اشہلی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنازہ میں یہ دعا مانگتے تھے۔

"اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَآئِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَهٗ مِنَّا فَاَحْیِهٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَی الْاِیْمَانِ"[2]

مذکورہ دعا پڑھیں یا کوئی اور دعا جو قرآن میں ہو یا حدیث میں ہو پڑھیں دونوں طرح جائز ہیں۔

نماز جنازہ کی چار تکبیریں ہیں:

نماز جنازہ میں چار تکبیریں فرض ہیں۔ جیسا کہ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے "ان رسول اللہ ﷺ نعی النجاشی فی الیوم الذی

---

[1]: سعادۃ الدارین، ص: ۲۳۰، ۲۳۱، مطبوعہ مطبعۃ، بیروت

[2]: ☆ ترمذی، ابواب الجنائز، باب مایقول فی الصلوۃ علی المیت، ج:۱، ص: ۳۲۴، رحمانیہ

☆ ابوداود، کتاب الجنائز، باب الدعا للمیت، ج:۲، ص: ۱۰۳، رحمانیہ

مات فیه و خرج بهم الی المصلی فصف بهم و کبر علیه اربع تکبیرات[۱]"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کے وصال کے دن ہی آپ کے وصال کی خبر دی اور صحابہ کرام کو لے کر جنازگاہ کی طرف تشریف لے گئے ان کی صفیں بنوائی اور چار تکبیر کہہ کر نماز جنازہ پڑھائی۔

جنازہ میں صرف پہلی تکبیر پر رفع یدین ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "ان رسول اللہ ﷺ کبر علی الجنازة فرفع یدیه فی اول تکبیرة ووضع الیمنٰی علی الیسرٰی[۲]"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے جنازہ پر تکبیر کہی تو پہلی تکبیر میں رفع یدین کیا اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ لیا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے "ان رسول اللہ یرفع یدیه علی الجنازة فی اول تکبیرة ثم لایعود[۳]"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر پر رفع یدین کرتے تھے پھر دوبارہ نہیں کرتے تھے۔

نماز جنازہ میں قرآن پڑھنے کی ممانعت:

امام اعظم ابو حنیفہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اکثریت نماز جنازہ میں قرآن مجید پڑھنے سے منع فرماتے۔ اس وجہ سے نماز جنازہ میں قرآن مجید کی کوئی آیت بطور تلاوت قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے۔ ہاں کسی آیت کو بطور حمد و ثناء یا بطور دعا پڑھا جا سکتا ہے جیسا کہ بکثرت احادیث اور آثار موجود ہیں۔

۱: بخاری، کتاب الجنائز، باب التکبیر علی الجنازة اربعا، ج:۱، ص:۱۷۸، قدیمی

۲: ☆ ترمذی، ابواب الجنائز، باب ماجاء فی رفع الیدین علی الجنازة، ج:۱، ص:۳۲۳، رحمانیہ

☆ سنن دار قطنی، ج:۲، ص:۷۵، مطبوعہ، نشر السنہ، ملتان

۳: سنن دار قطنی، ج:۲، ص:۷۵، نشر السنہ، ملتان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ''ما باح لنا رسول اللہ ﷺ ولا ابو بکر ولا عمر فی الصلوۃ علی المیت بشیء''[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ میں کسی چیز کے پڑھنے کو معین نہیں فرمایا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے ''انہ اذا صلی علی میت بدء بحمد اللہ ویصلی علی النبی ﷺ ثم یقول اللھم اغفر لاحیائنا وامواتنا''[2]

ترجمہ: حضرت علی جب نماز جنازہ پڑھتے تو پہلے اللہ کی حمد کرتے پھر نبی کریم ﷺ پر درود پڑھتے پھر دعا کرتے ''اللھم اغفر لاحیائنا وامواتنا''۔

حضرت نافع بیان کرتے ہیں ''ان ابن عمر رضی اللہ عنہما کان لایقرء فی الصلوۃ علی المیت''[3]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ میں قرآن مجید نہیں پڑھتے تھے۔

حضرت ابو المنہال کہتے ہیں ''سالت ابا العالیۃ عن القرأۃ فی الصلوۃ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب فقال ما کنت احسب ان فاتحۃ الکتاب تقرء الافی صلوۃ فیھا رکوع و سجود''[4]

ترجمہ: میں نے ابو العالیہ سے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا میرے گمان میں سورۃ فاتحہ صرف اس نماز میں پڑھی جاتی ہے جس میں رکوع و سجود ہو۔

---

[1]: مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجنائز، باب من قال لیس علی دعاء موقت فی الصلوۃ علیہ الخ، ج:۳،ص:۲۹۴، ادارۃ القرآن اکیڈمی طبع اولی ۱۴۰۶ھ

[2]: مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجنائز، باب من قال لیس علی دعاء موقت فی الصلوۃ علیہ الخ، ج:۳،ص:۲۹۵

[3]: مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجنائز، باب من قال لیس علی الجنائز قرأۃ، ج:۳،ص:۲۹۸

[4]: مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجنائز، باب من قال لیس علی الجنائز قرأۃ، ج:۳،ص:۲۹۹

تو پتہ چلا کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ یا قرآن کی کوئی بھی سورۃ نہیں پڑھی جائے گی ہاں سورۃ فاتحہ کے مضامین چونکہ حمد وثناء اور دعا پر مشتمل ہیں اس لیے اگر کوئی آدمی قرأت کی نیت کے بغیر صرف حمد وثناء اور دعا کے ارادہ سے پہلی تکبیر کے بعد جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھ لے تو اس میں گنجائش ہے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی پہلی تکبیر کے بعد بطور حمد وثناء سورۃ فاتحہ پڑھی ہے اور باقی جو روایات سورۃ فاتحہ پڑھنے کی ہیں وہ ضعیف ہیں جبکہ اس کی ممانعت حدیث صحیح سے ہے۔

جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "انہ سئل عن صلوة الجنازة هل يقرء فيها فقال لم يوقت لنا رسول الله ﷺ قولا ولا قراة وفی رواية دعاء ولا قراة كبر ما كبر الامام واختر من اطيب الكلام ماشئت[1]"

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود سے نماز جنازہ میں قرأت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے کوئی خاص کلام اور قرأت مقرر نہیں فرمائی ایک روایت میں ہے کہ کوئی خاص دعا اور قرأت مقرر نہیں فرمائی جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جو اچھے سے اچھا کلام (ثناء ودعا وغیرہ) چاہو اختیار کرو۔

نابالغ میت کی دعا:

اگر میت نابالغ ہو تو دعا کرے کہ اللہ اس کو ہمارے لیے آخرت میں اجر وثواب کا سبب بنادے۔[2]

چونکہ نابالغ بچہ احکام کا مکلف نہیں ہوتا اس لیے دعا مغفرت کی ضرورت نہیں تو یہ دعا پڑھے:

---

[1]: ☆ مغنی ابن قدامہ، ج:۲،ص:۴۸۵، دار الفکر، بیروت

☆ المبسوط لسرخسی، ج:۲،ص:۶۴،مطبوعہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت

☆ بدائع الصنائع، ج:۱،ص:۳۱۳،مطبوعہ، ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی

[2]: بخاری، کتاب الجنائز، باب قراۃ فاتحۃ الکتاب علی الجنازۃ، ج:۱،ص:۱۷۸، قدیمی

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْہُ لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَاجْعَلْہُ لَنَا شَافِعًا وَ مُشَفَّعًا اگر نابالغ بچی ہو تو یہ دعا پڑھیں اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْھَا لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَاجْعَلْھَا لَنَا شَافِعَۃً وَّمُشَفَّعَۃً [1] ترجمہ: اے اللہ اسے ہمارا پیش رو بنا اور اسے ہمارے لیے اجر وثواب اور ذخیرہ اور اسے ہماری سفارش کرنے والا بنا اور اس کی سفارش کو قبول فرما۔

نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا:

نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا جائز و مستحب اور مستحسن ہے قرآن و حدیث سے بکثرت دلائل موجود ہیں اور کئی آثار صحابہ سے بھی نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا ثابت ہے دعا عبادت کا مغز اور نچوڑ ہے اور اللہ سے مانگنے کا بار بار حکم کیا گیا ہے اللہ نے فرمایا ''ادعونی استجب لکم [2]'' ترجمہ: مجھ سے مانگو میں تمہاری سنوں گا۔ اس آیت میں عموم ہے اور اس عموم میں بعد نماز جنازہ کا وقت بھی داخل ہے۔

اور فرمایا ''واما السائل فلا تنھر [3]'' ترجمہ: اور مانگنے والے کو نہ جھڑکیں۔

اس آیت میں سائل کو جھڑکنے سے منع کیا گیا ہے تو آپ فیصلہ کریں کہ جنازہ کے بعد اللہ سے دعا مانگنے والا سائل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ثابت کریں اگر سائل ہے تو پھر اسے منع کرنے کا کیا مطلب ہے؟

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے ''والذین جاء وا من بعد ھم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان [4]''

ترجمہ: اور وہ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ بعد میں آنے والے اہل ایمان پہلے ایمان لانے والوں

---

[1] طحطاوی علی نورالایضاح، ج:۲، ص:۲۲۹، مطبوعہ المکتبۃ الغوثیہ، کراچی

[2] المومن:۶۰ [3] الضحیٰ:۱۰ [4] حشر:۱۰

کے لیے مغفرت اور بخشش کی دعا کرتے ہیں اب اس میں کسی خاص وقت کی قید نہیں ہے اور نہ ہی کسی وقت کی ممانعت ہے تو معلوم ہوا کہ اہل ایمان جب چاہیں گزرے ہوئے مسلمانوں کے لیے دعائے بخشش کر سکتے ہیں اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ اس آیت کے عموم میں جنازہ کے بعد والا وقت داخل ہے یا نہیں؟ اگر آپ کہتے ہیں کہ نہیں تو پھر قرآن و حدیث سے اس کی دلیل پیش کریں اور اگر داخل ہے تو پھر جنازہ کے بعد دعا کرنے سے روکنے کا کیا مطلب ہے؟

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بعد نماز جنازہ دعا کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء''[۱]

ترجمہ: جب تم میت پر نماز پڑھ چکو تو اس کے لیے خاص دعا مانگو۔

اس حدیث میں ''اذا صلیتم علی المیت'' شرط ہے ''فاخلصوا لہ الدعاء'' جزا ہے۔ شرط اور ہوتی ہے اور جزا اور ہوتی ہے اور پھر شرط پر حرف ''فا'' داخل ہے جس سے پتہ چلا کہ بلا تاخیر نماز کے فوراً بعد دعا کی جائے کیونکہ یہ ''فا'' تعقیب بلا مہلت کے لیے ہے۔

جس طرح ''فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا''[۲] (جب کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ) اس میں کھا کر جانے کا حکم ہے نہ کہ کھانے کے درمیان، لہٰذا ''فا'' سے پتہ چلا کہ اس سے پہلا جو کام کیا گیا ہے اس کے فوراً بعد دوسرا کام ہے تو معلوم ہوا کہ یہ دعا نماز پڑھ لینے کے بعد کی ہے۔

امام بخاری و مسلم کے استاذ الحدیث امام ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں سند ثقہ صحیح کے ساتھ حدیث نقل کرتے ہیں۔

۱: ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمیت، ج:۲، ص:۱۰۲، رحمانیہ

۲: الاحزاب: ۵۳

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جناب یزید بن مکفف کا جنازہ پڑھایا اور چار تکبیر کہیں ”ثم حتی مشی اتاہ وقال اللھم عبدک وابن عبدک نزل بک الیوم فاغفرلہ ذنبہ ووسع مدخلہ“[۱]

ترجمہ: پھر آپ چلے یہاں تک کہ اس میت کے پاس آئے اور دعا کی اے اللہ! تیرا بندہ اور تیرے بندے کا بیٹا آج تیری بارگاہ میں حاضر ہوا ہے اس کے لیے اس کے تمام گناہ بخش دے اور اس کی قبر کو کشادہ کر دے۔

اس روایت سے صاف واضح ہو گیا کہ یہ دعا نماز جنازہ کے بعد کی گئی ہے کیونکہ یہ کچھ قدم چلنے کے بعد کی گئی اور نماز میں چلنا ممنوع ہے۔

حضرت ابراہیم ہجری کی روایت ہے، فرمایا ”رأیت ابن ابی اوفی و کلن من اصحاب الشجرۃ ماتت ابنیۃ الی ان قال ثم کبر علیھا اربعاثم قام بعد ذلک قدر مابین التکبیرتین وقال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصنع ھکذا“[۲]

ترجمہ: میں نے ابن ابی اوفی کو دیکھا یہ بیعت الرضوان والے صحابی ہیں کہ ان کی بیٹی کا انتقال ہو گیا۔ پھر ان پر چار تکبیریں کہیں پھر اس کے بعد دو تکبیروں کے فاصلہ کی مقدار کھڑے ہو کر دعا کی اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی کرتے ہوئے دیکھا۔

اب جو لوگ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں مانگنی چاہیے اور اسے بدعت اور گمراہی کہتے ہوئے تھکتے نہیں ان سے التماس ہے کہ وہ اس پر قرآن وحدیث سے کوئی دلیل پیش کریں کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے سے اللہ نے منع فرمایا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے یا پھر کسی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے۔ جب اس کے منع پر ان کے پاس ایک دلیل بھی موجود نہیں ہے اور اس کے کرنے پر کئی دلائل موجود ہیں تو پھر اس ایک اچھے کام سے

۱: مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجنائز، باب فی الدعاء للمیت بعد مایدفن ویسوی علیہ، ج:۳، ص:۳۳۱۔

۲: کنز العمال، صلوۃ الجنائز، ج:۱۵، ص:۱۵۷، ۱۶۷ (رقم: ۴۲۷۵۱) موسسۃ الرسالہ

مسلمانوں کو روکنا اور انہیں بدعتی اور گمراہ کہنا کہاں کا انصاف اور اعتدال ہے۔ تو تمام مسلمان بھائیوں سے گزارش ہے کہ ان لوگوں کے کہنے پر اس ایک اچھے کام اور کارِ خیر کو مت چھوڑیں بلکہ نماز جنازہ کے بعد دعا ضرور کیا کریں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری دعا سے اس میت کی مغفرت فرمادے۔

جنازہ اٹھانے کی فضیلت:

میت کی چارپائی کو اٹھانا اسے کندھا دینا باعث اجر وثواب ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے"من حمل جنازة اربعين خطوة كفرت عنه اربعين كبيرة"[1]

ترجمہ: جس نے چالیس قدم جنازہ اٹھایا اللہ اس کے چالیس بڑے گناہ معاف فرمادے گا۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔"من حمل الجنازة بجوانبها الاربع فقد قضى الذى عليه"[2]

ترجمہ: جس نے جنازہ کے چاروں پایوں کو اٹھایا تو تحقیق اس کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔

اسی روایت کے پیش نظر جن علاقوں میں ہر آدمی کو میت اٹھانے کا موقع نہیں ملتا راستہ تنگ ہونے کی وجہ سے وہاں جنازہ گاہ میں ہی چالیس قدم کی گنتی کرلیتے ہیں۔ اس طرح کہ پہلے میت کے اگلے دائیں کندھے والے پائے کو پھر پچھلے دائیں پاؤں والے پائے کو پھر اگلے بائیں کندھے والے پائے کو اور پھر پچھلے بائیں پاؤں والے پائے کو اٹھا کر دس دس قدم چلتے ہیں کل چالیس قدم ہوجاتے ہیں۔ اس طرح کے عمل میں کوئی حرج نہیں ہے۔

---

[1] تاریخ ابن عساکر، ج:۲۷،ص:۸۱، مطبوعہ، دارالفکر، بیروت

[2] مصنف عبدالرزاق، ج:۳،ص:۵۱۲، مطبوعہ، مکتب اسلامی، بیروت

غائبانہ نماز جنازہ کا حکم

فوت شدگان کے حقوق میں سے زندوں پر جو سب سے بڑا حق ہے وہ ان کی نماز جنازہ پڑھنا ہے اور یہ ان پر فرض ہے لیکن ایسا فرض ہے کہ اگر بعض ادا کردیں تو سب کی طرف سے ساقط ہوجائے گا۔ اس طرح فوت شدگان کو دعا کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ اگرچہ صلوۃ جنازہ بھی دعا ہے لیکن صلوۃ جنازہ اور دعا میں کچھ فرق ہے جیسا کہ صلوۃ جنازہ کے لیے طہارت شرط ہے جبکہ دعا کے لیے ایسا نہیں ہے۔ صلوۃ جنازہ کے لیے قبلہ رخ ہونا ضروری ہے جبکہ دعا کے لیے ضروری نہیں ہے۔ نماز کی فرضیت کا سبب وقت ہے اور نماز جنازہ کی فرضیت کا سبب کسی مسلمان کا فوت ہوجانا ہے۔ گویا نماز جنازہ کی فرضیت کا سبب فوت شدہ کا جسم ہے اس جسم کے ہوتے ہوئے نماز ادا کی جائے گی اس لیے نماز جنازہ پڑھنے کے لیے میت کا حاضر ہونا شرط ہے۔ جب شرط نہیں تو مشروط بھی نہیں۔ جبکہ دعا کے لیے میت کا حاضر ہونا شرط نہیں میت کی غیر موجودگی میں بھی دعا کی جاسکتی ہے۔

نماز جنازہ مسلمان کے لیے اعزاز واکرام ہے جیسا کہ غسل، کفن، ادب سے اٹھانا اور دفن کرنا ہے تو جب وہ جسم ہی موجود نہ ہو جس کے لیے یہ اعزاز واکرام ہے تو پھر نماز جنازہ کیسی؟ صرف دعا باقی رہ جائے گی جس کے لیے نہ صفیں شرط، نہ امام اور نہ ہی قبلہ رخ ہونا شرط ہے لیکن یار لوگ الٹی چال چلتے ہیں جو چیز کرنے کی ہے اس سے روکتے ہیں اور جو نہیں کرنے کی اس کے کرنے کا اتنا شور مچاتے ہیں۔ پتہ نہیں کہ امت مسلمہ سے علیحدگی کیوں ہے؟

غائبانہ نماز جنازہ کے قائلین کی دلیل:

اس کے جائز سمجھنے والے دلیل دیتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حبشہ کے بادشاہ حضرت نجاشی کی نماز جنازہ پڑھائی حالانکہ وہ حبشہ میں تھے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ان رسول اللہ ﷺ نعی النجاشی ثم تقدم فصفوا خلفه فکبر اربعاً''[1]

---

[1]: بخاری، کتاب الجنائز، باب التکبیر علی الجنازة اربعا، ج:۱،ص:۱۷۶، قدیمی

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کے وصال کے دن ہی آپ کے وصال کی خبر دی پھر آگے بڑھے صحابہ نے پیچھے صفیں بنالیں رسول اللہ ﷺ نے چار تکبیریں کہیں۔

اس حدیث کو امام بخاری نے تیرہ جگہ مختلف عنوانات کے تحت ذکر کیا ہے۔ لیکن کسی جگہ پر اسے غائبانہ نماز جنازہ کی دلیل نہیں بنایا۔ اس لیے اس کو غائبانہ نماز جنازہ کی دلیل بنانا درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے اگر باقی لوگوں کے لیے جائز کہیں گے تو خصوصیت نہیں رہے گی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حدیث میں کہیں بھی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہاں روایت میں یہ ہے کہ حضور ﷺ مدینہ طیبہ میں تھے اور حضرت نجاشی کی میت رسول اللہ ﷺ کے سامنے کردی گئی تھی اور درمیانی حجابات اٹھا دیئے گئے تھے (جس طرح کہ معراج سے واپسی کے بعد کفار کے سوالات پر بیت المقدس کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے کردیا گیا اور حجابات اٹھا دیئے گئے) جیسا کہ حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "انبأنا رسول اللہ ﷺ ان اخاکم النجاشی توفی فقوموا فصلوا علیہ فقام رسول اللہ ﷺ وصفوا خلفه وکبر اربعا وھم لا یظنون الا ان جنازته بین یدیه[1]"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خبر دی تمہارے بھائی نجاشی فوت ہو گئے ہیں کھڑے ہو جاؤ ان کی نماز جنازہ ادا کرو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے اور صحابہ کرام یہی سمجھ رہے تھے کہ حضرت نجاشی کا جسم ان کے سامنے ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت نجاشی کا جنازہ غائبانہ نہ تھا کیونکہ غائب وہ ہوتا ہے جو نظر نہ

---

[1]: ☆ صحیح ابن حبان، کتاب الجنائز، فصل فی الصلوۃ علی الجنازۃ ذکر البیان بان المصطفی ﷺ نعی الی الناس النجاشی فی الیوم الذی توفی فیہ، قسم خامس، ج:۴ ص:۴۰، (رقم الحدیث:۳۰۹۲) بیروت

☆ التمہید لمافی الموطا من الاسانید، ج:۶ ص:۳۳۲، مکتبہ قدوسیہ لاہور

آئے۔ جبکہ محدثین کی ایک بہت بڑی جماعت نے یہ واضح کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ میں ہوتے ہوئے حضرت نجاشی کی حاضر میت کا جنازہ پڑھا رہے تھے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے۔

قابل غور بات:

کیا ہم خلفائے راشدین باقی صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنے والے ہیں؟

! خلفائے راشدین میں سے کسی خلیفہ نے نہ خود کسی کا غائبانہ جنازہ پڑھا اور نہ ہی ان کا کسی نے پڑھا۔ حالانکہ بہت سارے صحابہ کرام خلفائے راشدین کے ادوار میں دور دراز علاقوں میں چلے گئے تھے جس کی بناء پر وہ خلفائے راشدین کے جنازے کے وقت موجود نہ تھے۔

بدری صحابہ نے نہ تو خود کسی کا غائبانہ جنازہ پڑھا اور نہ ہی ان کا کسی نے غائبانہ جنازہ پڑھا ہے۔

بیعت رضوان والے صحابہ نے نہ تو خود کسی کا غائبانہ جنازہ پڑھایا اور نہ ہی ان کا کسی نے پڑھایا۔ تابعین نے نہ خود کسی کا غائبانہ جنازہ پڑھا اور نہ ہی ان کا پڑھا گیا۔ ائمہ اربعہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی، امام احمد ابن حنبل رحمتہ اللہ علیہم اجمعین نے نہ تو خود کسی کا غائبانہ جنازہ پڑھا اور نہ ہی ان کا کسی نے پڑھا ہے۔

گویا کہ غائبانہ نماز جنازہ کے ممنوع ہونے پر عملاً صحابہ کرام، تابعین، ائمہ مجتہدین اور امت کا اجماع ہے۔

کیا خلفائے راشدین کو حضرت نجاشی کے جنازہ کا علم نہیں تھا۔ صحابہ کرام کو اس کا علم نہیں تھا کہ ان کے ادوار میں دور دراز علاقوں میں اتنے صحابہ کرام اور تابعین شہید ہوئے لیکن انہوں نے کسی کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا؟

سارا کچھ ہونے کے باوجود جب انہوں نے ایسا نہیں کیا تو پتہ چلا کہ وہ بھی اسی

بات کے قائل تھے کہ غائبانہ جنازہ خلاف سنت ہے۔

میت کو دفن کرنے کے بعد دعا کرنا:

میت کو دفن کرنے کے بعد خصوصی طور پر میت کی مغفرت و بخشش کے لیے دعا کرنا مسنون ہے تاکہ منکر و نکیر کا جواب دینے میں آسانی ہو۔ جیسا کہ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیه فقال استغفروا لاخیکم واسألوا له بالتثبیت فانه الان یسئل''[1]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دفن میت سے فارغ ہوتے تو فرماتے اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت رہنے کا سوال کرو اس لیے کہ اس سے ابھی سوال کیا جائے گا۔

امام احمد نے زہد میں ابونعیم نے حلیہ میں حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ''ان الموتی یفتنون فی قبورهم سبعا فكانوا یستحبون ان یطعم عنهم تلك الایام''[2]

ترجمہ: بے شک مردے اپنی قبروں میں سوال کیے جاتے ہیں سات دن تک تو صحابہ کرام یہ پسند کرتے تھے کہ ان دنوں میں مردوں کو ثواب پہنچانے کے لیے کھانا کھلایا جائے۔

اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کا سات دن تک کھانا کھلانے کا مقصد یہ تھا کہ میت کی امداد جاری رہے اور منکر نکیر کے جوابات میں اس کے دل و زبان ثابت رہیں۔[3]

حضرت محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات

---

[1]: ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للمیت فی وقت الانصراف، ج:۲،ص:۱۰۵، رحمانیہ

[2]: ☆ فتاوٰی حاوی، ج:۲،ص:۱۸۳، شرح الصدور، ص:۵۷، مطبوعہ، مکتبہ نوریہ رضویہ

☆ حلیۃ الاولیاء، ج:۴،ص:۱۱، صفوۃ الصفوہ لابن جوزی، ج:۲،ص:۲۸۹

[3]: فتاوٰی حاوی، ج:۲،ص:۱۸۵، مطبوعہ، مکتبہ نوریہ رضویہ

میں فرماتے ہیں ''ومستحب است که تصدق کرده شد از میت بعد از رفتن او از عالم تاهفت روز و تصدق ازمیت نفع میکند وراہے خلاف میان اهل علم ووارد شده است دراں احادیث صحیحه خصوصاودر بعض روایات آمده است که روح میت می آید خانه خود را شب جمعه پس نظر میکند که تصدق میکنداز وے یانه'' [۱] واللہ اعلم

ترجمہ: میت کے اس دنیا فانی سے جانے کے بعد سات دن تک میت کی طرف سے صدقہ کرنا مستحب ہے اور اس سے میت کو فائدہ حاصل ہوتا ہے اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے اور اس کے متعلق خصوصی طور پر احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں۔

اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جمعرات کو میت کی روح اپنے گھر میں آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ کیا میرے لیے صدقہ کرتے ہیں یا نہیں (واللہ اعلم)

اس سے معلوم ہوا کہ جمعرات کو خاص طور پر مُردوں کو ایصال ثواب کرنا مستحب ہے۔

۱: ☆ اشعۃ اللمعات کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور، ج:۱،ص:۷۱۶،۷۱۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر

☆ روح البیان، ج:۴،ص:۳۶۶، بیروت

ایصال ثواب کا بیان

الاصل فی الاشیاء الاباحۃ

اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

کسی چیز کے ناجائز، حرام اور بدعت ہونے میں صرف کسی کی رائے کا اعتبار نہیں ہوتا جب تک اس چیز کے ناجائز، حرام اور بدعت ہونے میں کوئی شرعی دلیل موجود نہ ہو۔ اب جو لوگ ایصال ثواب کرنے اور تعزیت سے روکتے ہیں ان سے گزارش ہے کہ وہ اس کے عدم جواز پر کوئی شرعی دلیل پیش کریں صرف ان کا قول معتبر نہیں ہوگا۔ کوئی ایسی متواتر، متواتر نہیں تو مشہور۔ اگر مشہور نہیں تو صحیح خبر واحد ہی پیش کردیں جس میں سرکار دو جہاں ﷺ نے فرمایا ہو کہ میت کے لیے دعائے مغفرت کرنا منع ہے اگر اسے ایصال ثواب کیا جائے تو اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

ہمارے لیے اگرچہ دلیل دینا لازمی نہیں ہے کیونکہ ہمارے لیے صرف یہی قاعدہ ''الاصل فی الاشیاء الاباحۃ'' کافی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہمارے پاس قرآن و حدیث سے بہت سارے دلائل موجود ہیں جن سے ثابت ہے کہ میت کے لیے مغفرت کی دعا کرنا اور اسے ایصال ثواب کرنا جائز و مستحسن ہے اور پھر اس پر ساری امت کا اجماع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''وَالَّذِیْنَ جَآءُ وْامِنْ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ''[۱]

ترجمہ: وہ لوگ جو ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر چکے ہیں۔

اس آیت میں اللہ مسلمانوں کے اس فعل کو بطور تعریف کے بیان فرما رہا ہے کہ بعد میں آنے والے مسلمان اُن بھائیوں کے لیے بھی دعائے مغفرت کرتے ہیں جو ان سے

---

[۱]: حشر: ۱۰

پہلے گزر چکے ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ مردوں کو دعا کا فائدہ پہنچتا ہے اگر فائدہ نہ پہنچتا ہوتا تو پھر ان کے لیے دعائے مغفرت کرنا فضول اور لغو قرار پائے گا۔ اور پھر یہ بھی کہنا پڑے گا کہ معاذ اللہ قرآن فضول اور لغو کاموں کو بطور تعریف بیان کرتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا ''رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ [1]'' ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! مجھے اور میرے ماں باپ اور سب مومنوں کو بخش دے جس دن حساب قائم ہوگا۔

یہ دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے متوفیٰ والدین اور مسلمانوں کے لیے مانگی اگر مردہ لوگوں کے لیے دعائے مغفرت کرنا جائز نہ ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی بھی ایسا نہ کرتے۔

عبادت کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) خالص بدنی عبادات جیسے نماز، روزہ، تلاوت قرآن، تسبیح و تہلیل وغیرہ (۲) خالص مالی عبادات جیسے صدقات، زکوٰۃ و خیرات وغیرہ (۳) مالی اور بدنی عبادات کا مرکب جیسے حج

ایک مسلمان جب یہ عبادات کرتا ہے تو اللہ رب العالمین اسے ان کا اجر و ثواب عنایت فرماتا ہے اور جب ان عبادات کا ثواب کسی فوت شدہ مسلمان بھائی کو پہنچائے تو اسے ثواب اور نفع پہنچتا ہے۔ اس بارے میں کثرت سے صحیح احادیث موجود ہیں جن کا انکار ناممکن ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوة تلحقه من اب او ام او اخ او صدیق فاذا لحقته کان احب الیه من الدنیا وما فیها وان اللہ تعالٰی لیدخل علی اھل القبور من دعاء اھل الارض امثال الجبال وان ھدیة الاحیاء الی

---

[1] : ابراہیم: ۴۱

الاموات الاستغفار لهم[1]"

ترجمہ: مردہ کی حالت قبر میں ڈوبتے ہوئے فریاد کرنے والے کی طرح ہوتی ہے وہ انتظار کرتا ہے کہ اس کے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے اس کو دعا پہنچے اور جب اس کو کسی کی دعا پہنچتی ہے تو وہ دعا کا پہنچنا اس کو دنیا و مافیھا سے محبوب تر ہوتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اہل زمین کی دعا سے اہل قبور کو پہاڑوں کی مثل اجر و رحمت عطا فرماتا ہے اور بے شک زندوں کا تحفہ مردوں کی طرف یہی ہے کہ ان کے لیے بخشش کی دعا مانگی جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "قال رسول اللہ ﷺ اذا مات الانسان انقطع عمله الامن ثلاث صدقة جارية و علم ينتفع به وولد صالح يدعواله[2]"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین اعمال کے (کہ ان کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا) (۱) صدقہ جاریہ (۲) ایسا علم جس سے نفع حاصل کیا جائے (۳) نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔

حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے "ان رجلا قال یارسول اللہ ﷺ ان امی افتلت نفسها لم توص واظنها لو تكلمت تصدقت فهل لها اجر ان تصدقت عنها قال نعم[3]"

---

[1]: شعب الایمان، ج:۷، ص:۱۶، (رقم الحدیث: ۹۲۹۵) دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۰ھ

[2]: ☆ ابوداؤد، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی الصدقۃ عن المیت، ج:۲، ص:۵۰، رحمانیہ

☆ مسلم، کتاب الوصیۃ، باب مایلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ، ج:۲، ص:۴۱، قدیمی

[3]: ☆ مسلم، کتاب الزکوۃ، باب وصول ثواب الصدقۃ عن المیت، ج:۱، ص:۳۲۴، قدیمی

☆ ابوداؤد، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی من مات عن غیر وصیۃ یتصدق عنہ، ج:۱، ص:۵۰، رحمانیہ

☆ بخاری، کتاب الجنائز، باب موت الفجأۃ بغتۃ، ج:۱، ص:۱۸۶، قدیمی

ترجمہ: ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میری ماں اچانک فوت ہوگئی ہے اور کوئی وصیت نہ کر سکی میرا خیال ہے اگر اسے بولنے کا موقع ملتا تو وہ صدقہ دیتی اگر میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو کیا اس کو اجر ملے گا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں ملے گا۔

اس حدیث کی شرح میں امام نووی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں میت کی طرف سے صدقہ کا جواز اور استحباب ثابت ہوگیا اور صدقہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اس کو نفع ہوتا ہے اور صدقہ کرنے والے کو بھی اس کا ثواب حاصل ہوتا ہے میت کی طرف سے صدقہ کرنا اس صدقہ کے ثواب کا میت کو پہنچنا اور صدقہ کرنے والے کو بھی اس سے ثواب حاصل ہونا یہ سارے امور ایسے ہیں جن پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔[۱]

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "**مامن رجل مسلم یموت فیقوم علی جنازته اربعون رجلا لایشر کون باللہ شیئا الاشفعھم اللہ فیه**"[۲]

ترجمہ: جس مسلمان کی نماز جنازہ پر ایسے چالیس مسلمان کھڑے ہو جائیں جنہوں نے شرک نہ کیا ہو تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت میت کے حق میں قبول فرماتا ہے یعنی بخش دیتا ہے۔

کھانا سامنے رکھ کر کلام الٰہی پڑھنا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو میری والدہ (ام سلیم) نے بطور ھدیہ وتحفہ کھانا پکایا اور میرے ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور ساتھ ہی یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو میرا اسلام عرض کرنا اور کہنا کہ اس موقع پر یہی جو کچھ ہے اسے قبول فرمالیں وہ کھانا لے کر میں حضور ﷺ

۱: شرح مسلم للنووی، ج:۲، ص:۴۱، مکتبہ قدیمی

۲: ☆ مسلم، کتاب الجنائز، فصل فی قبول الشفاعۃ الاربعین الموحدین فی من صلوا علیه، ج:۱، ص:۳۰۷، قدیمی

☆ ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فضل الصلوۃ علی الجنائز، ج:۲، ص:۹۸، رحمانیہ

کے پاس پہنچا اور والدہ کا سلام عرض کیا آپ ﷺ نے فرمایا انس اسے رکھ دے اور فلاں فلاں کو بلاؤ میں بلاتا گیا یہاں تک کہ تین سو آدمی جمع ہو گئے۔ ''فرأیت النبی ﷺ لیضع یدہ علی تلک الحیسة وتکلم بماشاء'' تو میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے اس کھانے پر اپنا دست اقدس رکھا اور جو چاہا پڑھا بس پھر کیا تھا وہ کھانا اس قدر بابرکت ہوا کہ لوگ شکم سیر ہو گئے آپ نے مجھ سے فرمایا یہ جو باقی ہے اسے لے جا میں نے جب اس بقیہ کھانے کو دیکھا تو اندازہ نہ کر سکا کہ جو میں لایا تھا وہ زیادہ تھا یا یہ زیادہ ہے۔[۱]

ایصال ثواب کی اہمیت کے بارے میں اتنی واضح روایات کے پڑھنے کے بعد آپ فیصلہ کریں کہ جو لوگ اس کار خیر سے روکتے ہیں وہ کتنے تنگ نظر ہیں اور ان کے علم کا اندازہ لگائیں جو فاتحہ خوانی کو لغویات اور بدعت سیئہ کہہ کر لوگوں کو اس سے روکتے ہیں اور محض تعصب اور بے علمی کی وجہ سے کہہ دیتے ہیں کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ دوسری طرف کچھ ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو ایصال ثواب کی مجلس محض دکھلاوے کے طور پر سجاتے ہیں اس کا مقصد اپنی اور اپنی دولت کی تشہیر ہوتا ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

اور کچھ ایسے بھی ہیں کہ ان کے اپنے پاس تو اتنی رقوم نہیں ہوتی جس سے وہ اچھے اچھے کھانے تیار کر کے لوگوں کو کھلائیں تو پھر ادھار لیتے ہیں کہ اگر ہم نے اپنے مرحوم عزیز کے لیے ختم نہ دلوایا تو لوگ کیا کہیں گے؟

یہ سارے لوگ غلط کرتے ہیں اور بجائے ثواب کمانے کے الٹا گناہ کماتے ہیں۔ کیونکہ ایصال ثواب میں کھانا وغیرہ تیار کر کے غریبوں کو کھلانا چاہیے جبکہ غریبوں کا کوئی نام ہی نہیں لیتا بلکہ بڑے بڑے امیر لوگوں کو بلایا جاتا ہے جو کہ غلط ہے کیونکہ صدقہ غریبوں کے لیے ہوتا ہے نہ کہ امیروں کے لیے، ہاں کسی بزرگ کو ثواب پہنچانے کے لیے کوئی چیز خیرات کریں تو وہ امیر لوگوں کے لیے بھی کھانا جائز ہے۔

---

[۱]: بخاری، کتاب النکاح، باب الھدیہ للعروس، ج:۲،ص:۲۸۱، قدیمی

بہتر طریقہ یہ ہے کہ میت کے ایصال ثواب کے لیے اپنی طاقت کے مطابق کھانا غرباء کو کھلایا جائے اور اگر ختم وغیرہ میت کے ترکہ سے دلانا ہو تو جو وارث غائب ہو یا نابالغ ہو اس کے حصہ سے ختم دلانا جائز نہیں ہے پہلے مال تقسیم ہو جائے پھر کوئی بالغ وارث اپنے حصہ سے یہ کارِ خیر کرے ورنہ یہ کھانا کسی کو بھی جائز نہیں ہوگا کیونکہ مالک کی مرضی کے بغیر اور بچے کا مال کھانا جائز نہیں ہے۔

ایصال ثواب میں زیادہ بہتر یہ ہے کہ کوئی ایسا کام کیا جائے جس سے میت کو زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو۔ اگرچہ کھانا وغیرہ کھلا دینا بھی اچھا ہے۔ لیکن اس سے کہیں بہتر یہ ہے کہ فلاحی کام میں خرچ کیا جائے مثلاً کوئی ہسپتال بنا دیا جائے۔ کوئی مسافر خانہ بنا دیا جائے۔ لوگوں کے لیے پانی کا مستقل انتظام کر لیا جائے، مسجد یا کوئی مدرسہ وغیرہ بنا دیا جائے جہاں قرآن وحدیث کی تعلیم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے سرشار ہو کر دی جائے۔ جہاں رسول اللہ ﷺ سے بغض وحسد کی تعلیم دی جائے وہ بجائے ثواب کے الٹا جہنمی بننے کا سبب ہے کیونکہ محبوب خدا ﷺ کی محبت ایمان کی اصل ہے جب اصل ہی نہ ہو تو پھر ایمان کیسے ہوگا جب ایمان نہیں ہوگا تو کسی نیک عمل کا ثواب بھی نہیں ملے گا؟

قبروں کی زیارت کا بیان

قبروں کی زیارت کرنا سنت رسول ﷺ ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ ہر سال شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے اور ان کو سلام کرتے۔

خود رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "کنت نهیتکم عن زیارة القبور فقد اذن لمحمد فی زیارة قبر امه فزوروها تذکر الاخرة"[1]

ترجمہ: میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا اب سیدنا محمد ﷺ کو ان کی ماں کی قبر کی زیارت کی اجازت دے دی گئی تو اب قبروں کی زیارت کیا کرو۔ کیونکہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "نهی رسول اللہ ﷺ عن زیارة القبور ثم قال زوروها ولا تقولوا هجرا"[2]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت سے منع فرمایا تھا پھر فرمایا قبروں کی زیارت کیا کرو اور کوئی بری بات نہ کہنا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "مر رسول اللہ ﷺ بقبور المدینة فاقبل علیهم بوجهه فقال السلام علیکم یا اهل القبور یغفر اللہ لنا ولکم"[3]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ مدینہ کی قبروں کے پاس سے گزرے تو ان کی طرف منہ کر کے فرمایا السلام علیکم

حضرت امام ابن عبدالبر سند صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اپنے اس

---

[1]: ترمذی، ابواب الجنائز، باب ماجاء فی الرخصة فی زیارة القبور، ج:۱، ص:۳۲۹، رحمانیہ

[2]: مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجنائز، ج:۷، ص:۳۶۴، بیروت

[3]: ترمذی، ابواب الجنائز، باب مایقول الرجل اذا دخل المقابر، ج:۱، ص:۳۲۹، رحمانیہ

مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور سلام کرتا ہے تو وہ اسے پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔[۱]

زیارت قبور کے لیے سفر کرنا:

سفر کا حکم اس کے مقصد کے اعتبار سے ہوگا۔ یعنی فرض کام کے لیے فرض ہوگا واجب کام کے لیے سفر بھی واجب ہوگا سنت کام کے لیے سفر بھی سنت ہے حرام کام کے لیے سفر بھی حرام اور جائز کام کے لیے سفر بھی جائز ہے۔ جیسے حج کے لیے سفر فرض ہے۔ روضہ رسول ﷺ کی زیارت کے لیے سفر واجب ہے جہاد وتجارت کے لیے سفر سنت ہے، چوری، ڈکیتی کے لیے سفر حرام ہے اور دوستوں کی ملاقات، شادی میں شرکت کے لیے اور علاج وغیرہ کے لیے سفر جائز ہے۔

جب قبروں کی زیارت سنت ہے تو زیارت کے لیے سفر کرنا بھی سنت ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "من زار قبری فقد وجبت له شفاعتی"[۲]

ترجمہ: جس نے میری قبر مبارک کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

اب سفر کریں گے تو روضہ اقدس کی زیارت کر سکیں گے۔ اگر سفر بھی نہ کریں اور کہیں کہ روضہ اقدس کی زیارت ہو جائے ناممکن ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "من زار قبر ابویه او احد هما فی کل جمعة غفر له و کتب برا"[۳]

ترجمہ: جو شخص ہر جمعہ کے دن اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کرے اس کو بخش دیا جاتا ہے اور اسے نیکوکار لکھ دیا جاتا ہے۔

---

[۱]: عمدۃ القاری شرح بخاری، ج:۸،ص:۷۰، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، دمشق

[۲]: مجمع الزوائد، کتاب الحج، ج:۴،ص:۲، دار الکتاب العربی، بیروت

[۳]: مجمع الزوائد، کتاب الجنائز، ج:۲،ص:۱۴۴، دار الکتاب العربی، بیروت

مقدمہ شامی میں امام اعظم کے مناقب میں امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں۔

''انی لا تبرک بابی حنیفة واجیٔ الی قبرہ فاذاعرضت لی حاجة صلیت رکعتین وسألت اللہ عند قبرہ فتقضٰی سریعاً[1]''

ترجمہ: میں ابوحنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اوران کی قبر پر آتا ہوں اگر مجھے کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو دو رکعتیں پڑھتا ہوں اوران کی قبر کے پاس جا کر اللہ سے دعا کرتا ہوں تو جلد حاجت پوری ہوتی ہے۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فلسطین سے سفر کر کے بغداد میں امام اعظم کی قبر کی زیارت کے لیے آتے تھے۔صاحب قبر سے برکت حاصل کرتے تھےاور پھر قبر کے پاس جا کر دعا کرتے تھےاور صاحب قبر کو حاجت روائی کا وسیلہ جانتے تھے۔

یہ سارے کام اگر حرام ہوتے یا شرک ہوتے تو پھر امام شافعی جیسا آدمی کبھی بھی ایسا نہ کرتا لیکن انہوں نے اس طرح کیا تو ان کے بارے میں کیا رائے ہے؟

اعتراض: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا''لا تشد الرحال الاالی ثلاثة مساجد مسجدی ھذا والمسجد الحرام والمسجد الاقصٰی[2]''

ترجمہ: تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف کجاوے (اونٹ کی کاٹھی جس پر دو شخص ایک دوسرے کے مقابل بیٹھتے ہیں) نہ کسے جائیں میری یہ مسجد، مسجد حرام اور مسجد اقصٰی۔

اس سے پتہ چلا کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور طرف سفر جائز نہیں ہے لہٰذا زیارت کے لیے سفر کرنا جائز نہیں۔

جواب:

اس حدیث سے یہ ثابت کرنا کہ ان تینوں مساجد کے علاوہ کسی طرف بھی سفر کرنا

---

[1]: مقدمہ ردالمختار، ص: ۱۸۲، مطبوعہ، دارالثقافہ والتراث، دمشق

[2]: مسلم، کتاب الحج، باب فضل المساجد الثلاثة، ج: ۱، ص: ۴۴۷، قدیمی

جائز نہیں ہے اس کا فہم و علم سے کوئی تعلق نہیں ہے اگر یہ مان لیا جائے تو پھر سفر جہاد، سفر طلب علم، سفر تجارت، ماں باپ کی زیارت کے لیے سفر اور کسی عالم کی زیارت کے لیے سفر ممنوع قرار پائے گا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے مذکورہ حدیث کا معنی ہے "لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد" کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف حصول ثواب اور فضیلت کے لیے سفر کرنا درست نہیں۔ لہٰذا اس کا سفر زیارت قبور، سفر طلب علم، اور سفر جہاد و تجارت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ روضہ اطہر کی زیارت کے متعلق کئی روایات موجود ہیں اور امت کا تعامل متواتر رہا ہے، جو کہ خود ایک مستقل دلیل ہے۔

اور پوری امت کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ مسجد نبوی کی نیت سے جاتے تھے نہ کہ روضہ اقدس کی زیارت کی نیت سے یہ عقل سے بعید ہے کیونکہ ایسا کون ہوسکتا ہے جو ایک لاکھ نمازوں کا ثواب چھوڑ کر پچاس ہزار نمازوں کے ثواب کی طرف آئے، تو معلوم ہوا کہ واقعۃً اور حقیقۃً زائرین مدینہ کا اصل مقصد روضہ اقدس کی زیارت رہا ہے۔

اعتراض: جس طرح مذکورہ تین مساجد پر قیاس کر کے کسی اور مسجد کی طرف ثواب کی نیت سے سفر کرنا جائز نہیں ایسے ہی روضہ رسول ﷺ پر قیاس کر کے اولیاء کے مزارات کی زیارت کے لیے بھی سفر جائز نہیں ہے۔

جواب:

یہ اعتراض درست نہیں ہے۔ امام غزالی نے اس کا رد یوں کیا ہے مذکورہ تین مساجد کے علاوہ تمام مسجدیں چونکہ ثواب میں برابر ہیں اس لیے وہاں ممانعت کی وجہ واضح ہے کہ سفر کی وجہ سے کوئی نئی فضیلت ایسی حاصل نہیں ہوگی جو اپنے شہر میں حاصل نہ ہوسکے لیکن اولیاء کرام کے مراتب مختلف ہیں اور مختلف زائرین کو مختلف اولیاء کرام سے مناسبت ہوتی ہے۔ اس لیے اس کے لیے سفر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کی اصل مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے "ان النبی ﷺ کان یأتی قبور الشهداء بأحد علی رأس کل حول"[1] اور اس پر ممانعت کی کوئی دلیل نہیں اس لیے اباحت اصلیہ کا تقاضا بھی

---

[1] ردالمحتار، ج ۱، ص ۱۰۴، دار الثقافة والتراث، دمشق

یہی ہے کہ اس میں کچھ حرج نہ ہو اور قبروں پر ہونے والی منکرات و بدعات کو ختم کیا جائے نہ یہ کہ ان کی وجہ سے زیارت قبور کر ترک کر دیا جائے۔

قبور صالحین پر حاضری اور دعا کے طریقے:

علامہ شامی نے حضرت ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ زائر میت کے پاؤں کی طرف سے آئے تاکہ میت کو زائر کے دیکھنے میں دشواری نہ ہو اور السلام علیکم کہے اور کھڑا ہو کر لمبی دعا مانگے اور اگر بیٹھے تو قبر سے اتنی دور بیٹھے جتنی دور زندگی میں بیٹھا کرتا تھا۔[1]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اولیائے عظام کی قبور پر حاضری دینے والوں اور دعا کرنے والوں کے لیے دو طریقے تحریر فرماتے ہیں:

(۱) دعا مانگنے والا جو اللہ کا محتاج ہے صاحب قبر کو وسیلہ بنا کر یوں عرض کرے اے اللہ! اس بندہ کی برکت سے اور اس رحمت کے صدقے جو تو نے اس پر کی ہے اور اسے عزت دی ہے۔ میری فلاں حاجت کو پورا فرما کیونکہ حقیقی دینے اور مرادیں عطا کرنے والا تو ہے۔

(۲) مانگنے والا صاحب قبر کو مخاطب کر کے کہے "اے اللہ کے مقبول بندے! میری فلاں مراد اللہ سے طلب کر کہ اللہ تعالیٰ میری مطلوب چیز مجھے عطا کرے چونکہ اس طرح بھی سوال اللہ ہی سے کیا جا رہا ہے صاحب قبر کو بطور وسیلہ پیش کیا جا رہا ہے یہ بھی ممنوع نہیں ہے"۔[2]

مجدد دین وملت حضرت قبلہ عالم پیر مہر علی شاہ صاحب ایک اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں:

کوئی شخص بھی فرائض شرعیہ مقررہ کے ماسوا دوسری چیز کو فرض نہیں سمجھتا، ہاں قبور صالحین کی زیارت اور ان کے ساتھ تبرک حاصل کرنا۔ ان کے لیے دعائے خیر کرنا، قرآن

۱: ردالمختار (فتاویٰ شامی) ج:۱، ص:۸۴۳، دار الثقافة والتراث، دمشق

۲: اشعة اللمعات، باب حکم الاسراء، ج:۳، ص:۴۰۱، مطبوعہ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

مجید کی تلاوت کر کے اور شیرینی یا کھانا تقسیم کر کے اس کا ثواب ان کی ارواح کو ہدیہ کر کے ان کی امداد کرنا۔ بالاتفاق اچھا فعل ہے۔ باقی ایک دن کو عرس کے لیے معین کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ دن ان کے دنیا سے عالم آخرت کی طرف جانے کی یاد دلاتا ہے۔ ورنہ ہر روز بھی صدقہ، خیرات اوور نیکی کا عمل کیا جائے تو وہ فلاح اور نجات کا باعث ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ صالح اولاد اپنے اسلاف کے لیے دعا مانگے۔ لہٰذا قرآن کی تلاوت اور ایصال ثواب کو بزرگوں کی عبادت قرار دینا بھی بے وقوفی اور جہالت کی واضح دلیل ہے ہاں اگر کوئی شخص قبروں کو سجدہ کرے یا طواف کرے یا اس طرح دعا مانگے "کہ اے صاحب قبر! میرا فلاں کام یوں کر دے، تو بتوں کے پجاریوں سے مشابہت ہو جائے گی جو کہ ناجائز ہے چونکہ صالحین کی قبروں پر آنے والے اس طرح کا کوئی عمل نہیں کرتے لہٰذا ان پر طعن مناسب نہیں"۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے درمنثور میں نقل کیا ہے کہ ابن المنذر اور ابن المردویہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے "ان رسول اللہ ﷺ کان یأتی احدا کل عام فاذابفوبة الشعب سلم علی قبور الشهداء فقال سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار "ترجمہ: رسول اللہ ﷺ ہر سال اُحد میں تشریف لے جاتے تھے اور وادی کے سرے پر پہنچ کر شہدائے اُحد کی قبروں پر سلام فرماتے اور کہتے تم پر تمہارے صبر کی وجہ سے سلام ہو یہ اچھی دار آخرت اور بہتر ٹھکانا ہے۔

ابن جریر رضی اللہ عنہ نے محمد ابن ابراہیم سے اسی طرح روایت نقل کی ہے اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔[1]

نصیر ملت علامہ نصیر الدین نصیر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی تیسری صورت میں دعا مانگتا ہے یعنی ان الفاظ میں کہ "اے صاحب قبر! تو میری فلاں مراد یا

---

[1]: اعلاء کلمۃ اللہ، ص: ٦٦، مطبوعہ، گولڑہ شریف

حاجت کو پورا کردے'' تو یہ مشرکین کے عمل سے مشابہت رکھنے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

(جیسا کہ قبلہ عالم نے فرمایا)

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ زندہ آدمی سے دعا کرانے کی صورت میں بھی مانگنا اللہ ہی سے متصور ہوگا۔ نہ کہ پیر یا شیخ سے کیونکہ وہ بھی تو اللہ ہی سے مانگتا ہے کوئی پیر یا غوث و قطب یہ نہیں کہہ سکتا کہ اے مانگنے والے! یہ سب کچھ میں تجھے دے رہا ہوں بلکہ یہ کہتا ہے کہ تو بھی اللہ سے مانگ میں بھی مانگتا ہوں۔ وہ بے نیاز و غنی ہے۔ جس کی سن لے لہٰذا اللہ سے مانگنا بندے کے لیے اعزاز ہے۔[1]

شرف ملت حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

''البتہ یہ ظاہر کہ جب حقیقی حاجت روا، مشکل کشا اور کارساز اللہ کی ذات ہے تو احسن اور اولیٰ یہی ہے کہ اسی سے مانگا جائے اور اسی سے درخواست کی جائے اور انبیاء و اولیاء کا وسیلہ اس کی بارگاہ میں پیش کیا جائے۔ کیونکہ حقیقت، حقیقت ہے اور مجاز، مجاز ہے۔ یا بارگاہِ انبیاء و اولیاء سے درخواست کی جائے کہ آپ اللہ کی بارگاہ میں دعا کریں کہ ہماری مشکلیں آسان فرمادے اور حاجتیں برلائے۔ اس میں کسی کو غلط فہمی بھی نہیں ہوگی اور اختلافات کی خلیج بھی زیادہ وسیع نہیں ہوگی''۔[2]

مردے سنتے ہیں:

اہلسنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ قبر میں مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں جیسا کہ بہت ساری احادیث سے صراحت ہوتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں ''قال العبد اذا وضع فی قبره وتولی وذهب اصحابه حتی انه یسمع قرع نعالهم اتاه ملکان فاقعداه فیقولان له ما کنت تقول فی هذاالرجل محمد فیقول اشهد

---

[1] : اعانت واستعانت کی شرعی حیثیت، ص: ۲۷

[2] : ندائے یارسول اللہ، ص: ۱۲، مطبوعہ مجلس رضا لاہور، ۱۴۰۵ھ

انہ عبداللہ ورسولہ فیقال انظر الی مقعدک من النار ابدلک اللہ بہ مقعدامن الجنۃ"[۱]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی بندہ کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اصحاب پیٹھ دے کر چلے جاتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھا کر کہتے ہیں کہ تم اس شخص (سیدنا) محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کیا کہا کرتے تھے۔ تو جو شخص یہ کہے گا کہ یہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں تو اس سے کہا جائے گا دیکھو تمہارا ٹھکانہ دوزخ میں تھا اللہ نے تمہارے اس ٹھکانے کو جنت کے ٹھکانے سے بدل دیا۔

اعتراض: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "اِنَّکَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰی"[۲]

ترجمہ: بے شک آپ مردوں کو نہیں سناتے، "وَمَآاَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ"[۳]

ترجمہ: اور آپ ان کو سنانے والے نہیں جو قبروں میں ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مردے نہیں سنتے۔

جواب:

ان آیات میں سننے کی نفی نہیں بلکہ سنانے کی نفی ہے اور پھر مطلق سنانے کی نفی نہیں بلکہ جو مردے حالت کفر میں مرے ہیں وہ اب آپ کے کلام کو سن کر قبول نہیں کر سکتے اور نہ ہی اب انہیں کوئی فائدہ ہوگا لیکن جو صاحب ایمان ہے وہ اس سے خارج ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد "تُسْمِعُ اِلَّامَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَافَھُمْ مُّسْلِمُوْنَ"[۴]

ترجمہ: "آپ صرف ان لوگوں کو سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں وہی مسلمان ہیں" میں حصر کے ساتھ ایمان والوں کو سنانے کا اثبات کیا ہے۔

لہٰذا مومن مردے آپ کے کلام کو سن کر فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

---

[۱]: بخاری، کتاب الجنائز، باب المیت یسمع خفق النعال، ج:۱،ص:۱۷۸، قدیمی

[۲]: نمل:۸۰ [۳]: فاطر:۲۲ [۴]: نمل:۸۱

اعتراض: حضرت عائشہ صدیقہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ مردے نہیں سنتے انہوں نے مذکورہ آیات سے استدلال کیا ہے اور بدر کے واقع والی روایت کی تاویل کی ہے کہ یسمعون کی اصل یعلمون ہے۔

جواب:

اس کے جوابات دیتے ہوئے حضور قبلہ عالم پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں "حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا سماع موتی کو بعید جاننا محض عقلی ہے تو اس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو رد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بدر میں موجود تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وہاں موجود نہیں تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو رد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ دراصل آپ ﷺ نے یعلمون فرمایا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یسمعون سمجھ لیا۔ مگر اس حدیث کا دوسرا جملہ غیر انهم لایستطیعون ان یردوا علی شیئا ترجمہ: مگر یہ کہ وہ مجھے جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے" اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ قلیب بدر کے مردے رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنتے تھے لیکن جواب دینے پر قادر نہ تھے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک موت منافی علم نہیں تو اسی طرح موت منافی سماع کیسے ہوسکتی ہے کہ سماع بھی علم مسموعات کا نام ہے، بوارق میں لکھا ہے کہ امام احمد وغیرہ نے اس حدیث کو اس طرح نقل کیا ہے کہ یہی حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خود آنحضرت ﷺ سے روایت کی ہے اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قلیب بدر کے واقع میں حاضر نہ تھیں اور قرآن کی نظم پر سرسری نظر کرنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مدلول کو بعید خیال فرماتی تھیں اور اسی کو اپنی خاطر عاطر میں رکھ کر اس مضمون کو زبان مبارک پر لائیں لیکن بعد میں جب خواص صحابہ سے یہ روایت مذکورہ ثابت ہوگئی تو اس روایت کو خود بیان فرمایا اور تامل کرنے سے قرآن وحدیث میں معارضت ومخالفت کا استبعاد دور ہوگیا۔

حاصل یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا سماع موتی کو بعید جاننا اسی طرح ہے جس طرح سیدہ کو معراج جسمانی کے بارے میں استبعاد ہوا تھا۔ کیونکہ دونوں جگہ واقعہ میں موجود اور حاضر نہیں تھیں (کیونکہ معراج جسمانی مکہ معظمہ میں ہوئی اس وقت ام المومنین کا حضور ﷺ سے نکاح بھی نہیں ہوا تھا) اور آنحضرت ﷺ سے تحقیق کرنے کا اتفاق نہ ہونے کے باعث پہلے تردد اور استبعاد ہوا اور پھر نہ تردد رہا نہ استبعاد رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو محض عقلی استبعاد کے باعث رد کیا اس کی قوی دلیل یہ ہے اگر یہ استبعاد نقلی ہوتا تو وہ روایت جس کے باعث استبعاد ہوا تھا آنحضرت ﷺ سے ضرور روایت کرتیں۔[1]

پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے عمل سے بھی سماع موتی کی تائید ہوتی ہے فرماتی ہیں جب میں زیارت کے لیے روضہ منورہ میں داخل ہوا کرتی تھی تو پردہ دار بڑی چادر کی ضرورت نہ سمجھ کر بغیر چادر کے جاتی رہی کہ یہاں صرف میرے زوج اکرم ﷺ اور میرے والد گرامی ہیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دفن کیے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیا کے باعث اپنے کپڑے خوب اوڑھ کر جاتی۔ امام احمد اور حاکم نے روایت کر کے کہا کہ یہ روایت شیخین (بخاری، مسلم) کی شرط پر ہے گو انہوں نے اسے روایت نہیں کیا۔[2]

مردوں کا زندوں کے احوال و اعمال سے مطلع ہونا:

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مومن کی روح قبض کی جاتی ہے تو اس کے ساتھ اللہ کے بندوں میں سے بخشے ہوئے لوگ ملاقات کرتے ہیں۔ جیسے دنیا میں بشارت دینے والے ملتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اپنے صاحب کو دیکھو تا کہ اسے آرام حاصل ہو کیونکہ یہ پہلے سخت تکلیف میں تھا پھر اس سے سوال کرتے ہیں کہ فلاں مرد کا کیا ہو؟ فلاں عورت کا کیا ہوا؟ کیا اس کی شادی ہوگئی؟ پھر اس شخص کے بارے میں پوچھتے ہیں جو اس سے پہلے فوت ہوا تھا وہ بتاتا ہے وہ تو مجھ سے پہلے

---

[1] : اعلاء کلمۃ اللہ، ص: ۱۰۷، ۱۰۸

[2] : اعلاء کلمۃ اللہ، ص: ۱۰۸

فوت ہو گیا ہے وہ کہتے ہیں ''اناللہ وانا الیہ راجعون '' وہ دوزخ میں ڈال دیا گیا اور بے شک تمہارے اعمال برزخ میں تمہارے عزیزوں اور رشتہ داروں کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اگر وہ اعمال نیک ہوں تو مسرور اور خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں اے اللہ! یہ تیرا فضل اور رحمت ہے تو اس شخص پر اپنی نعمت پوری فرما اور اسی عمل پر اس کا خاتمہ کر اور برے اعمال بھی ان کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ اس وقت وہ دعا کرتے ہیں۔ اے اللہ! اس کو اعمال صالحہ عطا فرما، اس سے راضی ہو اور اس کو اپنا مقرب بنا لے۔[1]

مزارات پر چادر چڑھانا اور پھول ڈالنا:

اولیائے کرام اور علماء کرام کے مزارات پر ان کی تعظیم کے پیش نظر چادر چڑھانا جائز ہے۔ کیونکہ یہ شعائر اللہ (اللہ کی نشانیاں) ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ''وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ[2]'' ترجمہ: جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کا تقویٰ ہے۔

محدث کبیر علامہ غلام رسول سعیدی اطال اللہ عمرہ لکھتے ہیں۔

علامہ نابلسی، علامہ اسماعیل حقی، علامہ شامی اور علامہ رافعی (فقہائے کرام) نے مزارات پر چادر چڑھانے کو جائز قرار دیا ہے لیکن اس میں افراط اور بے اعتدالی کرنا صحیح نہیں ہے جس طرح اوباش لڑکے باجوں، تاشوں کے ساتھ ناچتے، گاتے چادر کا جلوس لے کر مزار کی طرف جاتے ہیں۔ البتہ ادب و تعظیم کے لیے مزار پر چادر موجود ہو تو مزید چادروں کے بجائے وہ کپڑا غریبوں پر صدقہ کر کے اس کا ثواب صاحب مزار کو پہنچا دیں۔ مزار پر چادر چڑھانے کی شرعی نذر اور منت ماننا بھی گناہ ہے جو صرف اللہ کے لیے جائز ہے۔ فقہاء کی تصریح کے مطابق غیر اللہ کے لیے شرعی نذر ماننا ناجائز اور گناہ ہے ہاں عرفی نذر بمعنی نذرانہ یا ایصال جائز ہے۔[3]

---

[1]: کنز العمال، ج:۱۵، ص:۶۸۴، موستہ الرسالہ، بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2]: الحج:۳۲

[3]: شرح صحیح مسلم، کتاب الجنائز، ج:۲، ص:۸۱۶، ۸۱۷، فرید بکسٹال

یاد رہے کہ ہر آدمی کے مزار پر چادر چڑھانا جائز نہیں بلکہ صرف اولیائے کرام اور علمائے کبار کے مزارات پر جائز ہے۔

پھول جب تر ہوتے ہیں ان میں زندگی ہوتی ہے وہ اللہ کی تسبیح اور تہلیل کرتے ہیں تو جب پھول قبر پر ڈالیں جائیں تو ان کی تسبیح اور تہلیل کا ثواب صاحب قبر کو پہنچتا ہے اس کے عذاب میں کمی ہوتی ہے اور پھر پھولوں سے زائرین کو خوشبو پہنچتی ہے اس لیے پھول ہر مسلمان کی قبر پر ڈالنا جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں "مر رسول اللہ ﷺ علی قبرین فقال اما انهما ليعذبان وما يعذبان في كبير اما احدهما فكان يمشي بالنميمة واما الآخر فكان لا يستتر من بوله قال فدعا بعسيب رطب فشقه باثنين ثم غرس على هذا واحداً وعلى هذا واحداثم قال لعله ان يخفف عنهما مالم ييبسا[1]"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کا دو قبروں سے گزر ہوا آپ نے فرمایا ان قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور یہ عذاب کسی ایسی وجہ سے نہیں ہو رہا جس سے بچنا مشکل ہو ان میں سے ایک شخص چغلی کھایا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب سے بچنے میں احتیاط نہیں کرتا تھا پھر آپ نے ایک سبز شاخ منگوائی اس کے دو ٹکڑے کیے اور ایک ٹکڑا ایک قبر پر گاڑ دیا اور دوسرا ٹکڑا دوسری قبر پر گاڑ دیا پھر فرمایا جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

---

[1] : مسلم، کتاب الطہارۃ، باب الدلیل علی نجاسۃ البول ووجوب الاستبراء، ج:۱،ص:۱۴۱، قدیمی

تبرکات کی اہمیت

نبی کریم ﷺ، دیگر انبیائے کرام کے آثار مبارکہ، اہل بیت، صحابہ کرام اور رسول اللہ ﷺ کے وارث علماء و مشائخ سے برکت حاصل کرنا جائز ہے اور اس پر اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ ذوات قدسیہ سے برکت حاصل کرنا ایک توسل ہے اور برکت حاصل کرنے والے کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اس ذات کو اللہ کی بارگاہ کا قرب و منزلت حاصل ہے اور اسے بذات خود فائدہ پہنچانے یا شر و فساد دور کرنے کی کوئی طاقت نہیں۔ ہاں اللہ کے اذن اور عطا سے اس کے اندر یہ طاقت ہو سکتی ہے اس پر قرآن و حدیث کے بہت سارے واقعات شاہد ہیں۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا ''اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا''[1]

ترجمہ: میری اس قمیض کو لے جا کر میرے والد کے چہرے پر ڈال دو ان کی نابینا آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔

بنی اسرائیل کے لیے اللہ نے قرآن میں ذکر کیا ''وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ''[2]

ترجمہ: اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک ایسا تابوت آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کے چین اور سکون (کے اسباب ہیں) اور (اس میں) آل موسیٰ اور آل ہارون کی چھوڑی ہوئی باقی ماندہ کچھ چیزیں ہیں اس کو فرشتے اٹھا کر لائیں گے۔ بے شک اس میں بڑی نشانیاں ہیں اگر تم مومن ہو۔

---

[1] : یوسف: ۹۳

[2] : البقرۃ: ۲۴۸

امام رازی نے لکھا ہے کہ یہ تابوت حضرت آدم علیہ السلام پر نازل کیا گیا تھا اس میں ان کی اولاد میں سے انبیائے کرام کی تصویریں تھیں یہ اولاد آدم سے منتقل ہوتا ہوا حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا پھر بنی اسرائیل سے ہوتے ہوئے حضرت موسٰی علیہ السلام کے پاس پہنچا، جب دشمنوں سے جنگ ہوتی تو اس تابوت کو آگے رکھتے اور اس کے وسیلہ سے اللہ سے اپنے دشمنوں کے خلاف فتح کی دعا کرتے اور فرشتے اس تابوت کو ان کے لشکر کے اوپر اٹھا لیتے وہ لشکر سے لڑتے رہتے اور جب اس تابوت سے ایک چیخ کی آواز آتی تو ان کو فتح و نصرت کا یقین ہو جاتا پھر بنی اسرائیل نے اللہ کی نافرمانی کی تو اللہ نے قوم عمالقہ کو ان کے اوپر مسلط کر دیا عمالقہ نے ان کو شکست دی اور تابوت ان سے چھین لیا اور انہوں نے اسے گندگی کی جگہ ڈال دیا اس وقت کے نبی نے ان کے لیے بددعا کی تو اللہ نے کافروں کو ایک بلاء میں مبتلا کر دیا اور جو آدمی بھی اس تابوت کے پاس گندگی ڈالتا تو اللہ اسے بواسیر میں مبتلا کر دیتا اس کے بعد ان کافروں نے اسے دو بیلوں کے جوئے (بیل گاڑی) پر رکھ کر ہانک دیا وہ بیل چلتے رہے اللہ نے چار فرشتے ان بیلوں کے ساتھ محافظ کر دیئے حتی کہ وہ فرشتے اس صندوق کو طالوت کے پاس لے آئے۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات کا اعزاز و احترام لازم ہے ان کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور حاجتیں پوری ہوتی ہیں اور تبرکات کی بے حرمتی گمراہوں کا طریقہ اور بربادی کا سبب ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے وضو کے استعمال شدہ پانی سے استفادہ:

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "خرج علینا رسول اللہ ﷺ بالها جرة فاتی بوضوء فتوضأفجعل الناس یأخذون من فضل وضوءہ فیتمسحون بہ فصلی النبی ﷺ الظهر رکعتین والعصر رکعتین وبین یدیه عنزة وقال ابو موسی دعاالنبی ﷺ بقدح فیه ماء فغسل یدیه ووجهه فیه ومج فیه ثم

---

[1]: تفسیر کبیر، ج:۲، ص:۲۸۹، ۲۹۱، دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ

قال لھما اشربا منہ و افرغا علی وجوھکما و نحور کما"[۱]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ دوپہر کے وقت ہمارے پاس تشریف لائے تو وضو کے لیے پانی لایا گیا آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور لوگوں نے آپ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو لیا اور اپنے (چہروں) پر ملنا شروع کر دیا تو نبی کریم ﷺ نے ظہر کی دو رکعتیں اور عصر کی دو رکعتیں نماز ادا فرمائی اور آپ ﷺ کے سامنے عنزہ (نیزہ) تھا۔

حضرت موسیٰ اشعری فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ایک پیالہ پانی منگوایا آپ ﷺ نے اس میں اپنے ہاتھ اور منہ کو دھویا اور اس میں کلی کی پھر ان دونوں (ابو موسیٰ اشعری اور بلال رضی اللہ عنہما) کو فرمایا اس سے کچھ پی لو اور کچھ اپنے چہروں اور سینوں پر ڈالو۔

حضرت عروہ بن زبیر کی روایت ہے "واذا توضأ النبی ﷺ کادوا یقتتلون علی وضوءہ"[۲]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ جب وضو فرماتے تو آپ کے غسالہ (نیچے گرنے والے قطروں) کو حاصل کرنے کے لیے صحابہ کرام باہم لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے۔

نبی کریم ﷺ کی طرف سے موئے مبارک کی تقسیم:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جمرہ عقبہ میں رمی کی پھر قربانی کے جانوروں کے پاس تشریف لا کر انہیں قربان کیا حجام تیار بیٹھا تھا۔ آپ ﷺ نے ہاتھ کے ذریعے اپنے سر کی طرف اشارہ کیا اس نے آپ کے (سر کے) دائیں حصے کے بال صاف کر دیئے وہ آپ ﷺ کے پاس موجود لوگوں میں تقسیم کر دیئے پھر (حجام کو) حکم دیا بائیں حصے کے بال بھی صاف کر دو (اس نے کر دیئے) آپ نے دریافت کیا ابوطلحہ کہاں ہیں؟ (وہ آئے تو وہ بال) آپ ﷺ نے انہیں عطا کر دیئے۔[۳]

حضرت جعفر بیان کرتے ہیں کہ جنگ یرموک کے دن حضرت خالد بن ولید کی

۱۔۲: بخاری، کتاب الوضو، باب استعمال فضل وضوء الناس، ج:۱، ص:۳۱، قدیمی

۳: مسلم، کتاب الحج، باب بیان ان السنۃ یوم النحران یرمی ثم ینحر ثم یحلق، ج:۱، ص:۴۲۱، قدیمی

ٹوپی گم ہوگئی انہوں نے کہا اس کو تلاش کرو انہوں نے بار بار ڈھونڈا، وہ ٹوپی نہیں ملی، بالآخر وہ ٹوپی مل گئی، وہ بہت بوسیدہ ٹوپی تھی، حضرت خالد بن ولید نے کہا رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کیا اور سر کے بال منڈوائے تو صحابہ ہر طرف سے آپ کے بال مبارک لینے کے لیے جھپٹ پڑے میں نے بھی آپ کے چند بال لے لیے اور میں نے ان کو اس ٹوپی میں رکھ لیا اس کے بعد میں جس جنگ میں بھی شریک ہوا تو یہ ٹوپی میرے ساتھ ہوتی تھی اور مجھے اس جنگ میں فتح نصیب ہوتی تھی۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے لعاب دہن سے استفادہ:

۶ ہجری کو رسول اللہ ﷺ جب اپنے چودہ سو جانثاروں کے ساتھ حدیبیہ کے مقام پر ٹھہرے تو کفار کی طرف سے عروہ بن مسعود آیا اور واپسی پر اس نے مشرکین سے کہا کہ تم محمد ﷺ سے مت ٹکراؤ، "فو اللہ ما تنخم رسول اللہ ﷺ نخامة الا وقعت فی کف رجل منهم فدلک بها وجهه وجلده" اللہ کی قسم! جب رسول اللہ ﷺ تھوکتے تو اسے کوئی نہ کوئی صحابی اپنے ہاتھ میں لیتا اور چہرے و جسم پر مل لیتا۔[2]

---

[1] ☆ مجمع الزوائد، ج:۹، ص:۳۴۹، دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

☆ المستدرک للحاکم، ج:۳، ص:۲۹۹، دار الباز، مکہ مکرمہ

[2] : بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب، ج:۱، ص:۳۷۹، قدیمی

حیلہ اسقاط کا بیان

حیلہ اسقاط یہ مرکب اضافی ہے۔

حیلہ کا معنی:

''مایتوصل بہ الی مقصود بطریق خفی مباح''

حیلہ وہ ہے جس کے ساتھ خفیہ مباح طریقے سے مقصود حاصل ہو جائے۔

اسقاط کا بیان:

''سقط'' سے باب افعال کا مصدر ہے بمعنی گرادینا۔

حیلہ اسقاط کا اصطلاحی معنی:

حیلہ ان احکام کے ساقط کرنے کے بارے میں جو میت کے ذمہ رہ گئے ہیں۔

حیلہ کے قرآن وحدیث سے دلائل:

کسی جائز کام کے لیے حیلہ کرنا جائز ہے اور یہ قرآن سے ثابت ہے اس کا انکار قرآن کا انکار ہے۔

پہلی دلیل:

جب یوسف علیہ السلام کے بھائی مصر میں آئے تو یوسف علیہ السلام نے اپنے سگے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھنے کے لیے یہ حیلہ کیا کہ ان کے سامان میں اپنا پیمانہ رکھوا دیا۔ جب وہ جارہے تھے تو ندا کرائی ''اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّکُمْ لَسٰرِقُوْنَ''[1] ترجمہ: اے بارگیرو! تم چوری کرنے والے ہو۔ پھر آگے اللہ نے ارشاد فرمایا ''کَذٰلِکَ کِدْنَا لِیُوْسُفَ''[2] ترجمہ: اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو حیلہ وتدبیر بتایا۔

---

[1] : یوسف:۷۰

[2] : یوسف:۷۶

دوسری دلیل:

حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی تھی کہ میں تندرست ہو جاؤں تو اپنی بیوی کو سو(۱۰۰) لکڑیاں (درے) ماروں گا تو اللہ نے ان کو تعلیم دی کہ ایک جھاڑو لے کر ان کو مارو۔اپنی قسم نہ توڑو" وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثاً فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ"[1] تم اپنے ہاتھ میں جھاڑو لے کر ماردو اور قسم نہ توڑو۔

تیسری دلیل:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ: جب کفار نے ان سے کہا کہ وہ ان کے ساتھ ان کی عید پر جائیں "فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ (۸۸) فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ"[2] ترجمہ: تو حضرت ابراہیم نے ستاروں پر نظر ڈالی اور فرمایا میں بیمار ہوں۔یعنی حضرت ابراہیم نے یہ حیلہ کیا تاکہ وہ ان کے ساتھ عید کے لیے نہ جائیں۔

چوتھی دلیل:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "جاء بلال رضی الله عنه الی النبی ﷺ بتمر برنی، فقال النبی ﷺ من این هذا قال کان عندنا تمر ردی فبعت منه الصاعین بالصاع فقال اوه عین الربالا تفعل ولکن اذا اردت ان تشتری فبع التمر ببیع آخر ثم اشتریه"[3]

ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک مشہور قسم کی کھجور لائے تو نبی کریم ﷺ نے پوچھا یہ کہاں سے لایا ہے؟ آپ نے عرض کیا ہمارے پاس ردی کھجوریں تھیں اس کے دو پیمانے سے ایک پیمانہ خریدا ہے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ افسوس یہ تو عین ربا ہے ایسا نہ کرو بلکہ جب تم یہ خریدنا چاہتے ہو تو ردی کھجور نقد پر فروخت کرو پھر نقد پر عمدہ کھجور خریدو۔

---

[1]: ص:۴۴ — [2]: صفت:۸۹

[3]: بخاری، کتاب الوکالۃ، باب اذا باع الوکیل شیئا فاسدا فبیعہ مردود، ج:۱، ص:۳۱۱، قدیمی

سراج الاحناف، حضرت ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں یہ حدیث جواز حیلہ ربا میں صریح ہے جس کے امام اعظم اور امام شافعی قائل ہیں اس حکم میں یہ تفصیل نہیں کہ شراء اسی مشتری سے ہو یا دوسرے سے[1]۔

پانچویں دلیل:

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "قال وقعت وحشة بين هاجر وسارة فخلفت سارة ان ظفرت بها قطعت عضوا منها فارسل الله جبريل الى ابراهيم عليه السلام ان يصلح بينهمافقالت سارة ماحيلة يميني فاوحى الله الى ابراهيم عليه السلام ان يأمر سارة ان تثقب اذنى هاجرفمن ثم ثقوب الأذن[2]"

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں ایک بار حضرت ہاجرہ اور سارہ علیہما السلام میں کچھ جھگڑا ہو گیا۔ حضرت سارہ نے قسم اٹھائی کہ مجھے موقع ملا ہاجرہ کا کوئی عضو کاٹوں گی۔ اللہ نے حضرت جبریل کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بارگاہ میں بھیجا کہ ان میں صلح کرا دیں۔ حضرت سارہ نے عرض کیا میری قسم کا حیلہ کیا ہوگا۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی آئی کہ حضرت سارہ کو حکم دو کہ وہ حضرت ہاجرہ کے کان چھید دیں۔ اسی وقت سے عورتوں کے کان چھیدے گئے۔

فدیہ کی دلیل:

فدیہ دینے کی بنیاد ایک شرعی قانون کی حیثیت سے اس آیت کریمہ سے ثابت ہے۔ "وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ[3]"

ترجمہ: اور جن لوگوں کو روزے کی طاقت نہ ہو وہ فدیہ (بدلہ) دیں ایک مسکین کا کھانا۔

---

[1]: مرقاۃ شرح مشکوۃ، باب الربا، ج:۳،ص:۳۱۰،ادارۃ الحرم، لاہور

[2]: حموی شرح اشباہ، کتاب الحیل، ص:۱۱۱

[3]: البقرۃ:۱۸۳

حضرت نافع نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "من مات وعليه صيام شهر رمضان فليطعم عنه مكان كل يوم مسكينا"[۱]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو کوئی شخص مر جائے اور اس کے ذمہ رمضان کے روزے تھے تو ولی ہر دن کے روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس روایت کرتے ہیں "لا يصلى احد عن احد ولا يصوم احد عن احد ولكن يطعم عنه مكان كل يوم مدين من حنطة"[۲]

ترجمہ: کوئی کسی کی طرف سے نماز نہ پڑھے نہ روزہ رکھے لیکن اس کی طرف سے ہر دن کے عوض آدھا ساع گندم خیرات کرے۔

تفسیرات احمدیہ میں مذکور ہے "والصلوة نظير الصوم بل اهم فيه فامرناه بالفدية احتياطاور جونا القبول عن الله فضلا"[۳]

ترجمہ: نماز روزے کی مانند ہے بلکہ اس سے بھی اہم ہے لہٰذا ہم نے اس میں بھی احتیاطاً فدیہ کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے قبول کی امید ہے۔

شرح وقایہ میں ہے کہ "وفدية كل صلوة كصوم يوم وهو الصحيح"

ترجمہ: ہر نماز کا فدیہ ایک دن کے روزہ کی طرح ہے اور یہی صحیح ہے۔

مسئلہ:

میت کے مال سے اولاً تجہیز و تکفین کا انتظام ہوگا بقیہ مال میں سے پہلے میت کا قرض ادا کیا جائے گا اس کے بعد جو بچ جائے تو وہ وارثوں کا حق ہے اس میں اگر وصیت کی

---

۱ : ☆ ابن ماجہ، الصیام، باب من مات وعلیہ صیام رمضان قد فرط فیہ، ص:۱۲۶، قدیمی

☆ ترمذی، ابواب الصوم، باب ماجاء فی الکفارۃ، ج:۱، ص:۱۷۲، رحمانیہ

۲ : سنن کبریٰ للبیہقی، ج:۴، ص:۲۵۷، مطبوعہ، نشر السنہ، ملتان

۳ : تفسیرات احمدیہ (البقرۃ) ص:۶۱، حقانیہ پشاور

ہے تو تہائی حصہ میں وصیت جاری ہوگی۔ قرض کی ادائیگی وصیت اور ورثاء کے حق دونوں پر مقدم ہوگی۔

فدیہ کے واجب ہونے کی شرائط:

فدیہ کے واجب ہونے کی دو شرطیں ہیں:

(۱) میت مالدار ہو (۲) میت نے وصیت کی ہو

یہ دو شرطیں پائی جائیں تو فدیہ واجب ہوگا اگر یہ نہ ہوں تو اگر ولی نے اپنی خوشی سے صدقہ کیا تو یقیناً اس کا ثواب ہوگا۔

اب غور کریں کتنے مسلمان ہیں جن سے نماز وروزہ میں کوتاہیاں ہوتی ہیں نفس و شیطان نے لوگوں کو دھوکے میں ڈال دیا ہے اکثر لوگ نماز کا اہتمام نہیں کرتے تو اگر نماز ادا نہیں کی تو وصیت کرنا واجب ہے تاکہ اس کی طرف سے فوت شدہ کا فدیہ دے دیا جائے اکثر ایسے ہیں جنہیں اس کا علم ہی نہیں اور جنہیں اس کا علم ہے وہ بھی اکثر لاپرواہی کرتے ہیں اس طرح ان کا فدیہ دینے میں زیادہ مال لگتا ہے وہ اس طرح کہ شمسی لحاظ سے سال کے 365 دن ہوتے ہیں اور ایک دن میں نمازیں وتر سمیت چھ ہیں اور 6 کو 365 سے ضرب دینے سے حاصل آتا ہے 2190۔ ایک نماز کا فدیہ دو سیر گندم ہے اس طرح ایک دن کی نمازوں کا فدیہ بارہ سیر گندم ہوا ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ نو (۹) من گندم ہوگا اور ایک سال کی نمازوں کا فدیہ 108 من گندم ہوگا اسی طرح روزے کا حساب لگالیں۔

اب اگر کسی کے ذمہ چند سالوں کی نمازیں اور روزے ہیں تو وہ کیسے اتنا غلہ خیرات کرے گا کیونکہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ویسے بھی ایک بھاری بوجھ معلوم ہوتا ہے اور نہ ہی نیک کاموں میں لوگ خرچ کرتے ہیں جبکہ فضول اور لہویات میں بڑی خوشی سے خرچ کرتے ہیں اور غریب آدمی تو ویسے ہی طاقت نہیں رکھتا کہ وہ اتنا غلہ خیرات کرسکے۔

اب اس مشکل کو دور کرنے کے لیے فقہائے کرام رحمتہ اللہ علیہم نے ایک حیلہ تجویز کیا ہے۔

حیلہ اسقاط کا طریقہ:

میت کا ولی حسب توفیق گندم یا اس کی قیمت لائے جنازہ کے بعد چند فقراء دائرہ بنا کر بیٹھ جائیں تو ولی وہ گندم یا اس کی قیمت ایک فقیر کو ہدیہ کردے۔ اور کہے کہ میں یہ مال تجھے میت سے فوت شدہ حقوق کا فدیہ دیتا ہوں اور فقیر کہے کہ میں نے قبول کیا اس طرح وہ فقیر اگلے فقیر کو ھبہ کردے اور وہ بھی یہی کہے اس طرح آگے دیتے جائیں یہاں تک کہ ابتداء کرنے والے تک پہنچ جائے۔

اور ایک یہ بھی ہے کہ پہلی دفعہ اس مال کو نمازوں کے فدیہ کے لیے گھمایا جائے دوسری دفعہ روزوں کے فدیہ کے لیے اور پھر قسم، نذر اور کفارہ وغیرہ کے فدیہ کے لیے گھمایا جائے دونوں طرح جائز ہے۔

اگر ایک ہی فقیر ہو تو وہ واپس ولی کو ہدیہ کردے اور ولی پھر فقیر کو دے اس طرح جتنی دفعہ دیا جائے گا اتنا ہی فدیہ ادا ہو گا بعض علاقوں میں ساتھ قرآن مجید رکھا جاتا ہے اور اسے خیرات کر دیا جاتا ہے۔

اس طرح یہ حیلہ جائز ہے اس سے میت سے آسان طریقے سے فدیہ ادا ہو جائے گا۔ ورثاء کا زیادہ مال خرچ نہیں ہوگا۔

میت کے ساتھ احسان کرتے ہوئے یہ حیلہ تجویز کیا گیا ہے اب اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ فضل واحسان فرمائے گا کیونکہ اس کا فرمان ہے ''اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ[۱]''

طحطاوی میں مذکور ہے ''انھم اذا ارادو الاخراج عنہ یحسب من عمرہ بغلبۃ الظن ویخرج منہ مدۃ الصبا وھی اثناعشر فی الغلام وتسعۃ فی الانثی ویخرج عنہ بقدرھا ان کان عند ھم مایکفی والا تدفع مرار و ذلک لا حتمال نقصان صلوتہ بترک رکن او شرط فان الکثیر من الناس

۱؎ الاعراف ۵۶

لا یحسن اداء ھا"[1]

ترجمہ: ورثاء کو چاہیے جب وہ فدیہ کا ارادہ کریں تو غالب گمان سے میت کی عمر کا حساب لگائیں پھر اس سے بچپن کی عمر نکال لیں کہ وہ لڑکے کے لیے بارہ سال ہے اور لڑکی کے لیے نو سال ہے پھر اگر ان کے پاس فدیہ دینے کے لیے ہو تو ان سالوں کے حساب سے اتنی مقدار میں فدیہ دیں ورنہ پھر فقیر کے ساتھ چند بار ایسا کریں یعنی دور اسقاط کریں اور یہ اس لیے کیا جائے کہ شاید نماز میں کچھ نقصان اور کوتاہی ہوئی ہو رکن یا شرط کے رہ جانے سے کیونکہ بہت سارے لوگ نماز اچھے طریقے سے ادا نہیں کرتے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ محمد عبد العلیم سیالوی مدظلہ العالی (شیخ الحدیث والفقہ جامعہ نعیمیہ لاہور) کا ایصال ثواب وحیلہ اسقاط کے متعلق تحقیقی فتویٰ:

بخدمت اقدس حضرت علامہ شیخ الحدیث قبلہ مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ:

ہمارے علاقہ میں نماز جنازہ پڑھنے کے بعد لوگ بیٹھ کر میت کے لیے حیلہ اسقاط کرتے ہیں، چند لوگ دائرہ کی شکل میں بیٹھتے ہیں، ورثاء کچھ بمع قرآن پاک امام صاحب کے ہاتھ میں دیتے ہیں، وہ اسقاط کی مخصوص دعا کرتے ہیں بعد ازاں تمام دائرہ میں وہ رقم ہاتھوں ہاتھ دوبارہ امام صاحب کے پاس آتی ہے پھر دعا کرتے ہیں اور اسی طرح تین مرتبہ پھرانے کے بعد آخری بار پڑھ کر وہ رقم تقسیم کرتے ہیں کچھ رقم ائمہ مسجد میں، کچھ مسجد کے خادمین میں اور کچھ قبر بنانے والے لوگوں میں، آپ یہ بیان فرمائیں کہ

(۱) اس دائرہ میں کون کون لوگ بیٹھنے کے قابل ہیں، کیا غنی لوگ بیٹھ سکتے ہیں یا تمام کا فقیر ہونا ضروری ہے؟

(۲) یہ کہ حیلہ اسقاط کی رقم کس کس آدمی کو دی جا سکتی ہے؟

(۳) جب حیلہ کے لیے رقم پھرائی جائے تو ہر آدمی کو کیا نیت کرنی چاہیے؟

---

[1] : حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی اسقاط الصلوۃ والصوم، ج:۲، ص:۳۱، مکتبۃ الغوثیہ

(۴) نماز جنازہ کے بعد دعا کرنی چاہیے یا نہیں، جو لوگ منع کرتے ہیں انکا کیا حکم ہے۔

(۵) کیا حیلہ اسقاط کے لیے میت کا وصیت کرنا ضروری ہے یا نہیں، وصیت کرنے یا نہ کرنے کی صورت میں طریقہ حیلہ میں کچھ فرق ہوگا یا نہیں؟

(۶) جب جنازہ جاتا ہے تو ساتھ گڑ اور حلوہ پکا کر لے جاتے ہیں لوگ اس کو توشہ کا نام دیتے ہیں بعد نماز جنازہ یہ حاضرین میں تقسیم کیا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

سائل: حافظ محمد طارق، بلوچستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب هو الموفق للصواب

مسائل مسئولہ میں فاتحہ و چہلم ہو یا حیلہ اسقاط یا دعاء بعد از نماز جنازہ سبھی مسائل کا تعلق ایصال ثواب سے ہے اور یہ سبھی اہلسنت و جماعت احناف کے ہاں جائز اور باعث اجر و ثواب ہیں۔

"الاصل فی هذاالباب ان الانسان له ان يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰة او صوما او صدقة او غيرها عنداهل السنة و الجماعة لماروى عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه ضحى بكبشين املحين احد هما عن نفسه و الاخر عن امته ممن اقر بوحدانية الله تعالىٰ و شهدله"[۱]

اہل سنت و جماعت کا مسلک یہ ہے کہ کوئی بھی انسان اپنے عمل کا ثواب دوسرے کے لیے کرسکتا ہے۔ خواہ وہ عمل نماز ہو یا روزہ، صدقہ ہو یا کوئی عبادت، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سلیٹی رنگ کے مینڈھے قربان فرمائے، ایک اپنی طرف سے اور دوسرا اپنے اُمتیوں کی طرف سے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا اور

---

[۱]: علامہ برھان الدین مرغینانی، ہدایہ اولین، مطبوعہ لکھنو، جلد ۱، ص: ۲۲۷

اس کی شہادت دی۔

"رب اغفرلی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب"[1]

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام دعا فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! مجھے اور میرے والدین اور مومنوں کو بخش دینا، جس دن کہ قیامت وقوع پذیر ہو۔ اگر دعا دنیا سے چلے جانے والوں اور موجود حضرات یا آنے والوں کے حق میں موثر نہ ہوتی تو انبیاء کرام علیہم السلام ان کی بخشش کی دعا کبھی نہ فرماتے۔ معلوم ہوا زندوں کی دعا مرنے والوں کے حق میں ذریعہ بخشش ہے اور بے حد مفید، اسی حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر (۱۰۰) آدمی مسلمان صحیح العقیدہ کسی کے جنازہ میں شریک ہو کر میت کے لیے دعائے مغفرت کریں تو اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کی سفارش کو قبول و منظور فرما کر میت کی مغفرت فرما دیتا ہے "مامن میت تصلی علیہ امۃ من المسلمین یبلغون مائۃ کلھم یشفعون لہ الاشفعوا فیہ"[2]

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ ان ام سعد ماتت فای الصدقۃ افضل قال الماء فحفر بئرا وقال ھذہ لام سعد"

ام سعد فوت ہو گئیں عرض کی گئی کہ کون سا صدقہ اس کے حق میں افضل ہے ارشاد ہوا پانی حضرت سعد نے کنواں کھدوایا اور فرمایا: یہ ام سعد کا کنواں ہے۔[3]

---

[1]: ابراہیم:۴۱

[2]: ☆ امام مسلم، مسلم شریف، کتاب الجنائز، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، رقم الحدیث:۲۱۹۵

☆ امام ترمذی، جامع ترمذی، کتاب الجنائز، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، رقم الحدیث:۱۰۲۹

☆ امام نسائی، سنن نسائی، کتاب الجنائز، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، رقم الحدیث:۱۹۹۰، ۱۹۹۱

[3]: ☆ امام داؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، رقم الحدیث:۱۶۸۱

☆ امام نسائی، سنن نسائی، کتاب الوصایا، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، رقم الحدیث:۳۶۶۶، ۳۶۶۷

☆ امام ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، رقم الحدیث:۳۶۸۴

حضرت ابی اُسید ساعدی کا کہنا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے۔ ایک آدمی آیا جس کا تعلق قبیلہ بنی سلمہ سے تھا۔ عرض کرنے لگا "یارسول اللہ ﷺ هل بقی من برّ ابوی شئی ابرهما به بعد موتهما قال نعم الصلوۃ علیهما والاستغفار لهما وایفاء بعهودهما واکرام صدیقهما وصلة الرحم التی لا توصل الابهما"[1]

یارسول اللہ ﷺ! کیا کوئی ایسی نیکی ہے جو میں والدین کے فوت ہوجانے کے بعد کروں تو ان کو نفع دے؟ ارشاد ہوا ہاں ان کے لیے دعا استغفار کرنا، ان کے بعد ان کی وصیتوں کو پورا کرنا ان کے دوستوں کی عزت کرنا اور ان کی وجہ سے جو صلہ رحمی ہوسکتی تھی اسے بجالانا۔

ان مذکورہ بالا احادیث سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ مرنے کے بعد کسی بھی مسلمان کے لیے اس کے عزیز واقارب دوست واحباب ہر قسم کی عبادت کا ثواب اسے پہنچا سکتے ہیں۔ نماز جنازہ کیا ہے میت کے لیے دعائے مغفرت ہی تو ہے۔

"مامن میت تصلی علیه امة من المسلمین یبلغون مائة کلهم یشفعون له الاشفعوافیه"[2]

جب بھی کسی مسلمان میت پر ایک سو کی تعداد میں (پرہیز گار) مسلمان نماز جنازہ میں اس کی مغفرت کی سفارش کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی اس کے حق میں شفاعت کو قبول فرماتا ہے۔

"سنن بیہقی و دیلمی از ابن عباس روایت کردہ کہ رسول اللہ ﷺ فرمودہ، نیست

---

[1]: ☆ امام ابوداؤد، سنن ابوداؤد، کتاب الادب، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، رقم الحدیث: ۵۱۴۲

☆ امام بن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، رقم الحدیث: ۳۶۶۴

[2]: ☆ مسلم شریف، کتاب الجنائز، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، رقم الحدیث: ۲۱۹۵

☆ امام ترمذی، جامع ترمذی، کتاب الجنائز، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، رقم الحدیث: ۱۰۲۹

☆ امام نسائی، سنن نسائی، کتاب الجنائز، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، رقم الحدیث: ۱۹۹۰، ۱۹۹۱

مردہ در قبر مگر مانند غرق شوندہ فریاد کنندہ انتظار مے کند دعائے خیر تا کہ برسد او را از پدرش یا فرزند یا دوست"[1]

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قبر میں مردہ ڈوبنے والے کی طرح ہے جو فریاد کرتا ہے اور انتظار میں ہوتا ہے کہ اس کا باپ یا بیٹا یا پھر دوست اس کے لیے دعائے خیر کرے۔

"ابوالقاسم سعد بن علی از ابی ہریرہ روایت کردہ کہ فرمود رسول اللہ ﷺ کہ ہر کہ داخل مقابر شود پس خواند فاتحہ وقل ھو اللہ احد والھکم التکاثر وبگوید آنچہ خواندہ ام ثواب آن اہل قبور از مومنین ومومنات گردیند آنہمہ فردگان برائے او شفیع باشند"[2]

ابوالقاسم سعد بن علی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جو کوئی قبرستان جائے اور سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص اور الھکم التکاثر پڑھ کر کہے کہ جو کچھ میں نے پڑھا ہے اس کا ثواب تمام اہل قبور مومن مردوں اور خواتین کو پہنچے اس قبرستان کے سبھی مرد وزن اس کی شفاعت کریں گے۔ ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ جملہ عبادات کا ثواب اہل قبور کو ملتا ہے اور وہ ثواب پہنچانے والے کے حق میں بھلائی کے خواستگار ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہی بات ردالمختار علی درمختار میں تحریر ہے۔ **وفی البحر من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابه لغیرہ من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابها الیهم عند اهل السنه والجماعة کذا فی البدائع.**[3]

بدائع کے حوالہ سے بحر الرائق نے لکھا ہے کہ مسلمان روزہ رکھ کر یا نماز پڑھ کر یا پھر صدقہ کرنے کے بعد اس کا ثواب کسی زندہ یا مردہ کو کر دے تو وہ ثواب اسے پہنچتا ہے اور یہی اہل سنت کا مسلک ہے۔

---

[1]: قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تذکرۃ الموتی والقبور، ص: ۳۲

[2]: قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تذکرۃ الموتی والقبور، ص: ۳۵

[3]: ابن عابدین، ردالمختار علی درمختار، جلد: ا، ص: ۶۶۲

حیلہ اسقاط بھی ایصال ثواب ہی کی ایک شق ہے۔ کسی مسلمان کا اس حال میں فوت ہونا کہ اس کے ذمے نمازیں یا روزے باقی تھے جسے وہ نہ ادا کرسکا اور نہ قضاء کرسکا، ایسے مرنے والے کے لیے زندہ حضرات اس کے حق میں کچھ کر سکتے ہیں جس کی وجہ سے امید کی جاسکے کہ مرنے والے سے قیامت کے دن اس کی نمازوں یا روزوں کی باز پرس نہ ہو۔ وہ عمل جس سے مرنے والے کے ذمہ سے حقوق اللہ کا سقوط ہو جائے اسے حیلہ اسقاط کا نام دیا گیا ہے۔ جس طرح حقوق العباد میں اگر میت کی طرف سے کوئی ذمہ داری قبول کرے کہ وہ اس کا حق ادا کرے گا ایسی صورت میں میت سے حق عہد ساقط ہو جاتا ہے اسی طرح حقوق اللہ میں بھی امید کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حق کو بندے کے لیے معاف فرمادے گا بشرطیکہ بندہ اس کے لیے حیلہ کرے۔

"عن ابی هریرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال نفس المومن معلقة بدینه حتی یقضی عنه[۱]"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا مومن کی روح اس کے قرض کی وجہ سے معلق رہتی ہے حتی کہ اس کی طرف سے قرض ادا کر دیا جائے۔

"اعلم انه قدورد النص فی الصوم باسقاطه بالفدیة و اتفقت کلمة المشائخ علی ان الصلوة کالصوم استحسانا لکونها اهم منه[۲]"

اور مشائخ اس امر پر متفق ہیں کہ نماز روزے کی طرح ہے۔ فدیہ دے کر روزہ ساقط کرنے کے لیے تو نصِ قرآنی وارد ہے "وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین[۳]"

۱: امام ترمذی، جامع ترمذی، کتاب الجنائز، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، رقم الحدیث: ۱۰۷۸

۲: امام طحطاوی، طحطاوی علی مراقی الفلاح، قدیمی کتب خانہ کراچی، ص: ۴۳۶، مکتبۃ الغوثیہ

۳: البقرة: ۱۸۴

مشائخ نے اتفاق کیا ہے کہ نماز مثل صوم ہے۔ تو گویا جس طرح روزے کا فدیہ دینے سے معذور حضرات سے روزہ ساقط ہو جاتا ہے اسی طرح نماز کا فدیہ دینے سے نماز ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ اس سے زیادہ اہم ہے۔

درمختار مع ردالمحتار میں اسقاط کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "ولو مات وعلیه صلوات فائتة واوصى بالكفارة يعطى لكل صلوة نصف صاع من بر كالفطر وكذا حكم الوتر والصوم وانما يعطى من ثلث ماله ولو لم يترك مالا يستقرض وارثه فنصف صاع منه ويدفعه لفقير ثم وثم حتى يتم"[1]

اگر کوئی مسلمان فوت ہو جائے اور اس کے لیے فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی باقی ہو اور شخص مذکور نمازوں کا کفارہ دینے کی وصیت کر جائے تو ہر نماز کے عوض نصف صاع اور یہ وصیت مرنے والے کے ایک تہائی مال سے پوری کریں گے اور اگر اس نے مال نہ چھوڑا ہو تو اس کے ورثا نصف صاع قرض لے کر فقیر محتاج کو دیں، وہ دوسرے کو اسی طرح کرتے رہیں حتی کہ نمازوں کے برابر صدقہ ہو جائے۔

درمختار کی مذکورہ بالا عبارت سے چند مسائل کی وضاحت ہوئی۔ (۱) مرنے والے پر نماز کی ادائیگی باقی ہو اور وصیت کر جائے تو ہر نماز کے عوض نصف صاع فقیر محتاج کو دیا جائے اور یہ متروکہ مال کے ثلث مال سے پورا کریں۔ (۲) وتر بھی نماز مستقل شمار ہوں گے اور ان کا بھی نصف صاع دیں گے۔ (۳) ایک نماز کا کفارہ اتنا ہی ہوگا، جتنا ایک روزے کا۔ (۴) اسقاط صلوۃ کے لیے ورثا نصف صاع قرض بھی لے سکتے ہیں (۵) نصف صاع گندم کو متعدد فقراء میں پھرایا جائے حتی کہ مطلوبہ نمازوں کا فدیہ ادا ہو جائے۔

قانون فقہ یہ ہے کہ ملک بدلنے سے چونکہ حکم بھی بدل جاتا ہے۔ جیسا کہ سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ظاہر ہے "ایک فقیر محتاج کو دینے سے ایک نماز کا فدیہ ادا ہوا، وہ جب دوسرے کو دے گا تو فدیہ ملک میں دینا ہوگا اس سے دوسری نماز کا سقوط ہوگا۔

---

[1]: علاء الدین حصکفی، درمختار مع ردالمحتار، جلد ۱، ص: ۵۴۲،۵۴۱

اسی طرح پھیرتے رہیں۔(۶) اسقاط کے لیے میت کے پاس وہ حضرات ہونے چاہیں جو مستحق صدقہ ہوں جس کو فقیر سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس دور کے وقت نیت ہونی چاہیے کہ ہم میت کی نمازوں کا کفارہ ادا کر رہے ہیں"

نورالانوار کی عبارت نے تو جملہ خدشات کا ازالہ بھی کر دیا۔"وجوب الفدیة فی قضاء الصلوات للاحتیاط لاللقیاس وذالک لان نص الصوم یحتمل ان یکون مخصوصا بالصوم یحتمل ان یکون معلولا لعلة عامة توجد فی الصلوات اعنی العجز والصلوة نظیر الصوم بل اهم منه فی النسیان والرفعة فامرنا بالفدیة عن جانب الصلوة فان کفت عنها عند الله فیها الا فله ثواب الصدقة"[1]

نمازوں میں فدیہ کا قول احتیاط کی بنا پر ہے نہ کہ قیاس سے وجہ احتیاط یہ ہے کہ فدیہ صوم کی نص (وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین) ہو سکتا ہے صرف روزے کے ساتھ خاص ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ علت عامہ کے ساتھ مقید اور وہ علت ادائیگی سے عاجز ہو جانا ہے۔ اگر یہ علت ہو تو نماز روزہ کی مثل بلکہ اس سے بھی اہم فریضہ ہے۔ اس لیے ہم نے کہا نمازوں کا فدیہ دیں۔ اگر اللہ کریم قبول فرمالے تو اسقاط صلوات ہو جائے گا ورنہ میت کو صدقہ کا ثواب تو ملے گا۔

نورالانوار کی اس عبارت سے اس خدشہ کا ازالہ مقصود ہے۔ کہ روزہ کا فدیہ از جنس امر غیر معقول ہے اور غیر معقول مقیس علیہ نہیں بن سکتا اس لیے روزہ پر نمازوں کو قیاس کرنا درست نہیں تو جوابا کہا گیا قیاس نہیں کیا، بلکہ احتیاطاً حکم فدیہ دیا گیا ہے جو دو حال سے خالی نہیں یا تو کفارہ نماز بن جائے گا یا پھر میت کو صدقہ کا ثواب ملے گا۔ حنفی ہونے کے حوالے سے ان دلائل کے بعد مجال اعراض نہیں رہتا کیونکہ مقلد کے لیے اقوال ائمہ ہی کافی ہیں اور اسقاط صلوۃ کا مسئلہ ظاہر الروایۃ کا ہے جسے امام محمد علیہ الرحمہ نے مبسوط میں ذکر فرمایا ہے۔

---

[1]: ملاجیون، نورالانوار، مطبوعہ پشاور، ص:۳۹

جنازے کے بعد دعا کا انکار تو محروم القسمت ہی کرے گا، مرنے والے کو جس قدر بعد از موت دعا کی ضرورت ہے اس سے پہلے اس کا عشر عشیر بھی نہ تھی اور حدیث ذکر ہوئی ''المیت کالغریق''

میت کو ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ اس کے لیے کوئی دعائے مغفرت کرے تاہم ذیل میں ایک دلیل عرض کی جاتی ہے جنازہ نماز ہے اور وہ فرض کفایہ، اسی لیے اس میں طہارت ہے استقبال قبلہ ہے، تحریمہ ہے، قیام ہے، اور فرائض کے بعد دعا ہے، بلکہ مقبولیت دعاؤں کے مقامات میں سے ایک ہے، ہدایہ میں اسے نماز قرار دیتے ہوئے کہا ''وفی الاستحسان لاتجزیهم لانها صلوة من وجه لوجوه التحریمة'' دلیل استحسان کا تقاضا ہے کہ جنازہ سواری پر درست ہی نہ ہو کیوں کہ یہ فرض نماز ہے جب یہ واضح ہو گیا کہ جنازہ نماز ہے اور وہ بھی فرض کفایہ تو ہر نماز کے بعد دعا مقبول ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ''عن ابی امامة قال قیل یارسول الله ﷺ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الآخرة ودبر الصلوة المکتوبة''[1]

ابی امامہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ کون سی دعا جلدی مقبول ہوتی ہے فرمایا رات کے آخری پہر اور فرض نماز کے بعد مانگی گئی۔

''عن ابی هریره قال قال رسول الله ﷺ اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء''[2]

''اذا صلیتم'' شرط ہے ''فاخلصوا'' جزا ہے اور جزا کا ترتب ہوتا ہے شرط پر اور وہ بھی موخر ''فا'' تعقیب مع الوصل کے لیے ہے۔ ان دونوں ضابطوں کا تقاضا ہے کہ یہ دعا بعد از نماز جنازہ ہے حقیقی معنی چھوڑ کر مجاز تبھی لیتے ہیں۔ جب کہ حقیقت نہ بن سکے اور

---

[1]: امام ترمذی، جامع ترمذی، کتاب الدعوات، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، رقم الحدیث: ۳۴۹۹

[2]: ☆ امام ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، رقم الحدیث: ۳۱۹۹

☆ امام ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، رقم الحدیث: ۱۴۹۷

تعقیب مع الوصل ''فا'' کا معنی حقیقی ہے۔ آخر میں حرف فیصل کے طور پر علامہ شمس الدین سرخسی کی کتاب المبسوط سے دو عدد عبارت پیش خدمت ہے جس سے واضح ہو جائے گا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی عمل رہا کہ جنازے کے بعد میت کے لیے دعائے استغفار کرتے رہے۔ علامہ سرخسی علیہ الرحمہ کی عبارت کا پس منظر بھی عرض کرتا چلوں۔

مبسوط میں حضرت نے اس عبارت کو اس لیے ذکر فرمایا کہ ایک دفعہ جنازہ پڑھ لینے کے بعد دوسرا جنازہ ہوگا بلکہ ان کے لیے استغفار اور دعا ہو سکتی ہے ''ماروی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما و ابن عمر رضی اللہ عنہما انما فاتتهما الصلوة علی جنازة فلما حضر امازاد علی الاستغفار له'' حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جنازہ سے رہ گئے جب دونوں پہنچے تو انہوں نے صرف دعائے استغفار کی ''وعبدالله ابن سلام رضی اللہ تعالٰی عنه فاتته الصلوة علی جنازة عمر فلما حضر قال ان سبقتمونی بالصلوة علیه فلا تسبقونی بالدعاء له[1]'' عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے جنازہ میں اس وقت پہنچے جب نماز ختم ہوگئی اور دعا مانگنے لگے تو حضرت عبداللہ بن السلام رضی اللہ عنہ فرمانے لگے اگر جنازہ میں تم سبقت کر ہی چکے ہو تو دعا میں تم تو سبقت نہ کرو یعنی مجھے بھی شریک دعا کر لو۔

معلوم ہوا کہ بعد از نماز جنازہ دعا کرنا معمول صحابہ کرام تھا جب یہ بات واضح ہوگئی کہ دعا بعد از جنازہ فعل صحابہ ہے تو جو شخص بھی اسے منع کرے گا وہ ''مانع للخیر'' ہوگا یعنی بھلائی سے روکنے والا اور قرآن مجید نے ایسے شخص کی سخت مذمت کی ہے اور اسے منافقین کا اور گناہ کا فعل قرار دیا۔

واللہ اعلم بالصواب

---

[1]: علامہ شمس الدین سرخسی، کتاب المبسوط، مطبوعہ معرفۃ بیروت لبنان، جلد:۱، جز:۲، ص:۶۷

امام اعظم رضی اللہ عنہ ائمہ جرح وتعدیل کی نظر میں

امام الائمہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی بلند مرتبہ عطا فرمایا۔ آپ نے چھ صحابہ کرام سے حدیث کی سماعت کی اور بچپن میں تقریباً بیس صحابہ کرام سے ملاقات کی۔ چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی۔ پچپن حج کیے اور سو مرتبہ خواب میں اللہ کا دیدار کیا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے کہ اس کی اقتداء اور پیروی کی جائے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں علم، تقویٰ، زہد اور ایثار میں آپ ایسے مقام پر فائز ہیں کہ کوئی دوسرا اس مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔

ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کو تابعی ہونے کا شرف حاصل نہیں ہوا جبکہ امام صاحب نے صحابہ سے احادیث سماعت کی ہیں اور باقی تینوں ائمہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) بلا واسطہ یا بالواسطہ امام اعظم کے شاگرد ہیں۔ حافظ الحدیث ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے فقاہت کے اس مرتبے پر فائز کیا تھا کہ جہاں کوئی دوسرا نہیں پہنچ سکتا۔

اس کے باوجود بعض متعصبین اور حاسدین نے آپ کی ذات پر طرح طرح کے الزامات لگائے جس کی وجہ سے بعض امام صاحب سے ناواقف لوگ بھی امام صاحب کے حوالے سے تردد کا شکار ہو گئے اور امام صاحب سے حسد کا یہ سلسلہ آپ کی ظاہری حیات میں ہی شروع ہو چکا تھا جو کہ اب تک جاری ہے اور اب اعتراض کرنے والوں کا مبلغ علم یہ ہے کہ نہ دین کی معلومات اور نہ ہی عربی پہ مہارت، لیکن وہ لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ تو حقیقت کو واضح کرنے کے لئے یہاں امام صاحب کے صدق، حافظہ اور ثقہ ہونے کے

حوالے سے ائمہ جرح وتعدیل اور کبار محدثین کے اقوال ذکر کیے جاتے ہیں جبکہ امام اعظم خود فن جرح وتعدیل کے امام ہیں۔ جیسا امام شمس الدین ذہبی علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ ''ذکر من یعتمد قوله فی الجرح والتعدیل'' میں نہایت باخبر ائمہ جرح وتعدیل میں امام اعظم کے نام کو سرفہرست ذکر کیا ہے۔

۱۔امام شعبہ ابن حجاج:

امام شعبہ ابن حجاج متوفی ۱۶۰ھ۔ آپ ۸۲ھ یا ۸۳ھ میں پیدا ہوئے۔ امام بخاری نے تاریخ کبیر میں لکھا ''کان سفیان یقول: شعبة امیر المؤمنین فی الحدیث'' سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے کہ شعبہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں[۱]۔

امام شعبہ ائمہ صحاح کے اعلیٰ رواۃ اور امام اعظم کے تلامذہ میں سے ہیں۔ فن رجال اور فن جرح وتعدیل کے باکمال ائمہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ امام اعظم کے بارے میں فرماتے ہیں ''کان ابو حنیفة حسن الفهم جید الحفظ'' کہ امام ابوحنیفہ بہت سمجھ دار اور جید الحافظہ تھے[۲]۔ اور فرمایا کرتے تھے جن لوگوں نے ان پر تشنیع کی ہے۔ واللہ، وہ اللہ کے ہاں اس کا نتیجہ دیکھ لیں گے کیونکہ اللہ ان چیزوں سے خوب واقف ہے[۳]۔

۲۔امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ:

آپ ۹۷ھ کو کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۶۱ھ کو وفات پائی۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے ہیں جیسا کہ ابن بزار کردری، امام خوارزمی اور صاحب عقود الجمان یوسف صالح دمشقی رحمۃ اللہ علیہم نے صراحت کی ہے[۴]۔

علوم حدیث، فقہ اور فن جرح وتعدیل کے ائمہ اعلام میں شمار ہوتے ہیں۔ امام

---

[۱]: التاریخ الکبیر، امام محمد بن اسماعیل بخاری، ج:۲، ص:۲۴۵، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد

[۲]: خیرات الحسان، ابن حجر ہیثمی، ص:۳۴، مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی کراچی

[۳]: خیرات الحسان، ص:۳۴، مطبوعہ ایچ، ایم، سعید کمپنی

[۴]: مناقب الکردری، ج:۲، ص:۲۲۰، جامع المسانید میں اور عقود الجمان، ص:۱۱۵

بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی حدیث کے راویوں کی توثیق و تضعیف میں آپ کی آراء کو بطور سند پیش کرتے ہیں، دیکھیں امام بخاری کی تاریخ کبیر، ص: ۱۸۴، مقدمہ صحیح مسلم، ص: ۱۳، اور امام ترمذی کی کتاب العلل، ج: ۲، ص: ۲۳۶۔

- امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں "کان واللہِ شدید الاخذ للعلم لایاخذ الا ما صح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید المعرفۃ بالناسخ والمنسوخ وکان یطلب احادیث الثقات والاخر من فعلہ"

اللہ کی قسم! وہ علم کے بہت زیادہ حاصل کرنے والے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو روایت صحیح ہوتی صرف اسی کو اختیار فرماتے۔ وہ ناسخ و منسوخ کی پہچان میں قوی ملکہ رکھتے تھے اور وہ قابل اعتماد حضرات کی روایات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عمل کے بہت زیادہ متلاشی رہتے تھے۔[۱]

۳۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ

امام ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۸ھ کو پیدا ہوئے اور ۱۸۱ھ کو وصال ہوا۔

امام اعظم کے شاگردوں میں سے ہیں جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطی نے "تبییض الصحیفہ" ص: ۴۷ اور ابن بزاز کردری نے "مناقب امام اعظم" میں صراحت فرمائی ہے۔ علوم حدیث، فقہ اور فن جرح و تعدیل کے امام ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما کے شیوخ میں سے ہیں جیسا کہ امام خوارزمی نے "جامع المسانید" ج: ۲، ص: ۵۰۶، پر تحریر فرمایا "یقول اضعف عباداللہ ومع انہ امام ائمہ الحدیث وشیخ الشیوخ البخاری ومسلم وامثالھا ھو من اصحاب ابو حنیفہ

---

[۱]: ☆ مناقب الامام الاعظم، ابن بزار کردری، ج: ۲، ص: ۱۰، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

☆ الخیرات الحسان، ابن حجر ہیثمی، ص: ۳۳، مطبوعہ ایچ، ایم، سعید کمپنی کراچی

ویروی عنه الکثیر فی هذه المسانید وهو ایضا شیخ بعض شیوخ الشافعی والامام احمد بن حنبل رضی الله عنهم ''اللہ کا ضعیف بندہ کہتا ہے اس کے باوجود کہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ائمہ حدیث کے سرتاج اور بخاری و مسلم رحمہما اللہ اور ان جیسے محدثین کے شیخ الشیوخ ہیں۔ تاہم وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین (پیروی کرنے والے) میں سے ہیں اور ان مسانید میں ان سے بہت سی احادیث منقول ہیں۔ اور ایسے ہی وہ امام شافعی اور احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے بعض شیوخ کے بھی شیخ ہیں۔ رضی اللہ عنھم۔

امام عبداللہ بن مبارک امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا ''کان وکیع جید الرأی فیه (ای فی ابی حنیفة) وایضا فیه عن بن مبارک قال غلب علی الناس بالحفظ والفقه والعلم والصیانه والدیانة وشدة الورع ''امام ابوحنیفہ کے بارے میں وکیع رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بہت عمدہ تھی نیز ابن مبارک نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ نے اپنے حفظ، فقہ، علم، احتیاط، دیانت اور اعلیٰ درجہ کی وجہ سے سب پر غلبہ پالیا۔[1]

۴۔ امام یحییٰ بن معین:

ابن معین ۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۳۳ھ میں وفات پائی۔ امام اعظم کے تلامذہ کے شاگرد ہیں۔ عبداللہ بن مبارک اور قاضی ابویوسف وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا، جیسا کہ علامہ کوثری نے ''فقہ اہل العراق وحدیثھم، ص: ۶۴'' میں لکھا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے فقہی تربیت حاصل کی جیسا کہ علامہ قرشی نے ''الجواھر المضیۃ، ج: ۳، ص: ۱۲۴'' پر لکھا ہے۔

علوم حدیث، فن اسماء الرجال اور فن جرح و تعدیل کے امام ہیں۔ امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد وغیرہ کے استاذ ہیں۔ آپ نے امام اعظم کی اعلیٰ

[1]: مناقب الامام الاعظم، ابن بزار کردری، ج: ۱، ص: ۹۱، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

درجہ کی تعدیل وتوثیق فرمائی ہے۔ امام احمد علیہ الرحمہ نے فرمایا "سمعت یحیی بن معین یقول وھو یسئل عن ابی حنیفة اثقة ھو فی الحدیث؟ فقال نعم ثقة ثقة کان واللہ اورع من ان یکذب" کہ میں نے یحییٰ بن معین کو فرماتے ہوئے سنا کہ ان سے امام ابوحنیفہ کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ حدیث میں ثقہ تھے؟ تو انہوں نے جواباً فرمایا کہ ہاں وہ ثقہ اور قابل اعتماد تھے اللہ کی قسم وہ جھوٹ سے بالاتر تھے۔[1]

امام یحییٰ بن معین امام شعبہ کے حوالے سے فرماتے ہیں "ثقة ماسمعت احد اضعفه، ھذاشعبة بن الحجاج یکتب الیه ان یحدّث ویأمرہ، وشعبة شعبة" کہ امام ابوحنیفہ ثقہ ہیں، میں نے کسی سے ان کی تضعیف نہیں سنی، یہ شعبہ ابن حجاج رحمۃ اللہ علیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث بیان کرنے کے لیے خط لکھا کرتے تھے اور ان سے (حدیث بیان کرنے کا) مطالبہ کرتے تھے اور امام شعبہ کا تو کیا ہی کہنا وہ تو شعبہ ہیں۔[2]

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

فقیہ امت امام دارالھجرہ فقہ مالکی کے بانی ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک بن عامر رحمۃ اللہ علیہ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ امام اعظم امام مالک کے پاس آئے امام مالک نے آپ کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ اوپر بٹھایا پھر ان کے تشریف لے جانے کے بعد فرمایا: تم ان کو جانتے ہو؟ لوگوں نے کہا نہیں، فرمایا یہ ابوحنیفہ نعمان بن ثابت ہیں جو اگر دعویٰ کریں کہ یہ ستون سونے کا ہے تو ستون ان کے قول کے مطابق نکل آئے۔ اللہ نے فقہ کو ان کے لیے ایسا آسان بنایا ہے کہ ان کو اس میں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی۔ پھر سفیان ثوری آئے تو انہیں نیچے بٹھایا اور ان کے جانے کے بعد ان کی فقہ اور پرہیزگاری کا تذکرہ کیا۔[3]

---

[1] : مناقب الامام الاعظم، موفق بن احمد مکی، ج:۱، ص:۱۹۲، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

[2] : الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ الفقہاء، ابن عبدالبر مالکی، ص:۱۹۶، مکتبہ غفوریہ کراچی

[3] : مناقب امام اعظم ابوحنیفہ، ابن بزاز کردری، ج:۱، ص:۳۹، مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

امام مالک سے ایک بار پوچھا گیا کہ اھل عراق میں سے جولوگ آپ کے پاس آتے ہیں ان میں افقہ (زیادہ فقیہ) کون ہے، فرمایا کون آتے ہیں؟ کہا گیا کہ ابن ابی لیلیٰ، ابن مشرفہ، سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم۔ امام مالک نے فرمایا کہ تم نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام اخیر میں لیا۔ میں نے ان کو دیکھا کہ ہمارے ہاں کے کسی فقیہ سے ان کا مناظرہ ہوا اور تین بار اس فقیہ کو اپنے رائے سے رجوع کرنا پڑا۔ پھر بھی اخیر میں امام صاحب نے فرمایا یہ بھی خطا ہے۔[1]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ فقہ شافعی کے بانی، ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں امام ابوحنیفہ کے توسل سے برکت حاصل کرتا ہوں، خیرات الحسان میں امام شافعی کا یہ قول بھی منقول ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ کوئی عقیل آدمی پیدا نہیں ہوا۔ شامی میں ابن حجر مکی سے ربیع کے حوالہ سے روایت ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عیال ہیں۔ کیونکہ میں نے ان سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں پایا اور فرمایا کہ جو شخص امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کو نہ دیکھے وہ نہ تو علم میں متجر ہوگا اور نہ ہی فقیہ بنے گا۔ (حدائق حنیفہ، ص: ۷۷) دوسری جگہ فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خاندان فقہ کے مربی اور مورثِ اعلیٰ ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی رحمۃ اللہ علیہ فقہ حنبلی کے بانی، ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف وتوصیف فرماتے ہوئے فرمایا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ علم و تقویٰ، زہد اور اختیار آخرت میں اس درجہ پر فائز تھے کہ کوئی دوسرا اس مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔[2]

---

[1]: مناقب امام اعظم، موفق بن احمد مکی، مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

[2]: خیرات الحسان فی مناقب ابی حنیفۃ النعمان، ابن حجر ہیثمی، ایچ، ایم، سعید کمپنی کراچی

اس کے علاوہ علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمۃ علیہ نے ”الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ الفقہاء“ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف وتوثیق کرنے والے فقہاء ومحدثین کی ایک بڑی جماعت ذکر کی ہے، اب اگر اتنے بڑے بڑے ائمہ کے فرامین کو سننے کے بعد بھی کوئی آدمی امام اعظم پر طعن وتشنیع کرے تو خطرہ ہے کہ اس کا ایمان ضائع نہ ہو جائے۔

آماخذومراجع

قرآن

(۱) تنویر المقباس، حضرت عبداللہ بن عباس، متوفی ۶۸ھ، مطبوعہ قدیمی

(۲) جامع البیان، امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۱ھ، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت

(۳) تفسیر کبیر، امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی، متوفی ۶۰۶ھ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

(۴) انوار التنزیل (بیضاوی) قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی، متوفی ۶۸۵ھ، مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع، مصر

(۵) کشاف، علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری، متوفی ۴۶۷ھ، مطبوعہ نشر البلاغہ ایران

(۶) الجامع لاحکام القرآن، علامہ ابوعبداللہ محمد بن بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۷ھ، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران

(۷) مدارک التنزیل، علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی متوفی ۷۰۱ھ، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، پشاور

(۸) لباب التاویل (خازن) علامہ علی بن محمد خازن شافعی، متوفی ۷۲۵ھ، بیروت

(۹) تفسیر القرآن، حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر، متوفی ۷۷۴ھ، ادارہ اندلس، بیروت

(۱۰) الدر المنثور، حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی، ایران

(۱۱) التفسیرات الاحمدیہ، علامہ احمد جیون جونپوری، متوفی ۱۱۳۰ھ، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ، پشاور

(۱۲) روح البیان، علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی ۱۱۳۷ھ، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ

(۱۳) تفسیر صاوی، علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی، متوفی ۱۲۲۳ھ، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ

(۱۴) روح المعانی، علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی، متوفی ۱۲۷۰ھ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت

(۱۵) ضیاء القرآن، جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری، متوفی ۱۴۱۸ھ، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور

(۱۶) تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدی، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور

(۱۷) مسند امام اعظم، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، متوفی ۱۵۰ھ

(۱۸) موطا امام مالک، امام مالک بن انس، متوفی ۱۷۹ھ، مطبوعہ قدیمی

(۱۹) کتاب الآثار، امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، متوفی ۱۸۲ھ مطبوعہ مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

(۲۰) موطا امام محمد، امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، مطبوعہ المصباح لاہور

(۲۱) مسند طیالسی، امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی حنفی، متوفی ۲۰۳ھ، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی

(۲۲) المصنف، امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت

(۲۳) المسند، امام عبد اللہ بن الزبیر حمیدی، متوفی ۲۱۹ھ، مطبوعہ عالم الکتب بیروت

(۲۴) المصنف، امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵ھ، مطبوعہ ادارۃ القرآن اکیڈمی طبع اولی ۱۴۰۶ھ

(۲۵) المسند، امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت

(۲۶) صحیح بخاری، امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، مطبوعہ قدیمی

(۲۷) صحیح مسلم، امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ، قدیمی

(۲۸) سنن ابن ماجہ، امام عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، متوفی ۲۷۳ھ، مطبوعہ قدیمی

(۲۹) سنن ابوداؤد، امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی ۲۷۵ھ، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ

(۳۰) جامع ترمذی امام ابو عیسیٰ ترمذی، متوفی ۲۷۹ھ، مطبوعہ، مکتبہ رحمانیہ

(۳۱) سنن دارقطنی، امام علی بن عمر دارقطنی، متوفی ۲۸۵ھ، مطبوعہ نشر السنہ، ملتان

(۳۲) سنن نسائی، امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی، متوفی ۳۰۳ھ، مطبوعہ رحمانیہ

(۳۳) سنن کبریٰ، امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

(۳۴) شرح مشکل الآثار، امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی، متوفی ۳۲۱ھ، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت

(۳۵) شرح معانی الآثار امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ ملتان

(۳۶) صحیح ابن حبان، امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی، متوفی ۳۵۴ھ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۳۷) معجم الکبیر، امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، متوفی ۳۶۰ھ، مطبوعہ المطبع الفاروق دھلی

(۳۸) المستدرک، امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری، متوفی ۴۰۵ھ، مطبوعہ دار الباز، مکہ مکرمہ

(۳۹) حلیۃ الاولیاء، امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت

(۴۰) سنن کبریٰ، امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، مطبوعہ نشر السنہ، ملتان

(۴۱) شعب الایمان، امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، مطبوعہ دار لکتب العلمیہ بیروت

(۴۲) معرفتہ السنن والآثار، امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، مطبوعہ دار لکتب العلمیہ بیروت

(۴۳) مشکوٰۃ المصابیح، امام ولی الدین تبریزی، متوفی ۷۴۲ھ، مطبوعہ ادارۃ الحرم، لاہور

(۴۴) نصب الرایہ، حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی، متوفی ۷۶۲ھ مطبوعہ مجلس علمی سورت، ہند

(۴۵) مجمع ازوائد، حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی، متوفی ۸۰۷ھ، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت

(۴۶) حصن حصین، امام محمد بن محمد جزری، متوفی ۸۳۳ھ، مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر

(۴۷) المطالب العالیہ، حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، مطبوعہ مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ

(۴۸) کنز العمال، علامہ علی متقی بن حسام الدین، ہندی برہان پوری، متوفی ۹۷۵ھ، مطبوعہ موئستہ الرسالہ، بیروت

(۴۹) التمہید مما فی الموطا من الاسانید، حافظ ابوعمرو بن عبدالبر مالکی، متوفی ۴۶۳ھ، مکتبہ قدوسیہ لاہور

(۵۰) شرح مسلم، علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، نور محمد اصح المطابع

(۵۱) اکمال اکمال المعلم، علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی، متوفی ۸۲۸ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۵۲) فتح الباری، حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ مطبوعہ، دار المعرفہ، بیروت

(۵۳) عمدۃ القادری، حافظ علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی ۸۵۵ھ، مطبوعہ، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، دمشق

(۵۴) مرقات، علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی، متوفی ۱۰۱۴ھ، مکتبہ امدادیہ ملتان

(۵۵) اشعتہ اللمعات، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ، مطبع تیج کمار، لکھنؤ

(۵۶) بذل المجہود، شیخ خلیل احمد سہارنپوری، متوفی ۱۳۴۶ھ، مکتبہ قاسمیہ، ملتان

فقہ

(۵۷) مبسوط (کتاب الاصل) امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، ادارۃ القرآن، کراچی

(۵۸) بدائع الصنائع، علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی ۵۸۷ھ، مطبوعہ ایچ: ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی

(۵۹) ہدایہ اولین واخرین، علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی ۵۹۳ھ، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ

(۶۰) امداد الفتاح، علامہ حسن بن عمار شرنبلالی، متوفی ۱۰۶۹ھ، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور

(۶۱) درمختار، علامہ علاؤالدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی ۱۰۸۸ھ مطبوعہ، دار الثقافۃ والتراث، دمشق

(۶۲) ردالمحتار، علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، مطبوعہ دار الثقافۃ والتراث

(۶۳) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، علامہ احمد بن محمد طحطاوی، متوفی ۱۲۳۱ھ مطبوعہ المکتبۃ الغوثیہ، کراچی

(۶۴) مجموعہ فتاوی، مولانا عبدالحیی لکھنوی، متوفی ۱۳۰۴ھ، مطبوعہ مطبع یوسفی ہند

(۶۵) شرح وقایہ، صدر الشریعہ عبیداللہ بن محمد، متوفی ۷۴۷ھ، مطبع مجتبائی

(۶۶) احیاء العلوم، امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت

(۶۷) الحاوی للفتاوی، علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد

(۶۸) المغنی، علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی ۶۲۰ھ، مطبوعہ دار الفکر بیروت

(۶۹) مجموع الفتاوی، ابوالعباس تقی الدین احمد بن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، مطبوعہ دار الجلیل بیروت

(۷۰) نیل الاوطار، شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ، مطبوعہ الکلیات الازہریہ

(۷۱) میزان الشریعۃ الکبری، علامہ عبدالوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ، مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ مصر

(۷۲) سعادۃ الدارین، علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی، متوفی ۱۳۵۰ھ، مطبوعہ مطبعہ بیروت

(۷۳) البدایہ والنہایہ، حافظ عماد الدین ابوالفداء ابن کثیر، متوفی ۷۷۴ھ، مطبوعہ دار الفکر بیروت

(۷۴) تاریخ بغداد، حافظ ابوبکر علی بن احمد خطیب بغدادی، متوفی ۴۶۳ھ، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ

(۷۵) تاریخ الخلفاء، علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی

(۷۶) الصارم المسلول، ابوالعباس تقی الدین احمد بن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، مطبوعہ نشر السنہ ملتان

(۷۷) تذکرۃ الحفاظ، علامہ شمس الدین ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ، مطبوعہ ادارہ احیاء التراث العربی بیروت

(۷۸) التذکرہ فی احوال الموتی وامور آخرہ، ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

(۷۹) تذکرۃ الموتیٰ والقبور، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، متوفی ۱۲۲۵ھ

(۸۰) نورالانوار، علامہ احمد جونپوری، متوفی ۱۱۳۰ھ، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ

(۸۱) اعلاء کلمۃ اللہ، علامہ پیر سید مہر علی شاہ، متوفی ۱۳۵۶ھ، مطبوعہ گولڑہ شریف، اسلام آباد

(۸۲) سیف چشتیائی، علامہ پیر سید مہر علی شاہ، متوفی ۱۳۵۶ھ، مطبوعہ گولڑہ شریف اسلام آباد

(۸۳) راہ ورسم منزل ہا، علامہ پیر نصیر الدین نصیر گیلانی، متوفی ۱۴۳۰ھ، مطبوعہ مکتبہ مہریہ نصیریہ

(۸۴) اعانت واستعانت کی شرعی حیثیت، علامہ پیر نصیر الدین نصیر گیلانی، متوفی ۱۴۳۰ھ، مطبوعہ مکتبہ مہریہ نصیریہ

(۸۵) دیں ہمہ اوست، علامہ پیر نصیر الدین نصیر گیلانی، متوفی ۱۴۳۰ھ، مطبوعہ، مکتبہ مہریہ نصیریہ

(۸۶) ندائے یارسول اللہ، علامہ عبدالحکیم شرف قادری، متوفی ۱۴۲۸ھ، مطبوعہ، مرکزی مجلس رضا، لاہور

(۸۷) شرح الصدور، علامہ جلال الدین سوطی، متوفی ۹۱۱ھ، مطبوعہ، دارالکتب العربیہ، مصر

(۸۸) مقالات کاظمی، علامہ سید احمد سعید کاظمی، متوفی ۱۴۰۶ھ، مطبوعہ، بزم سعید، ملتان

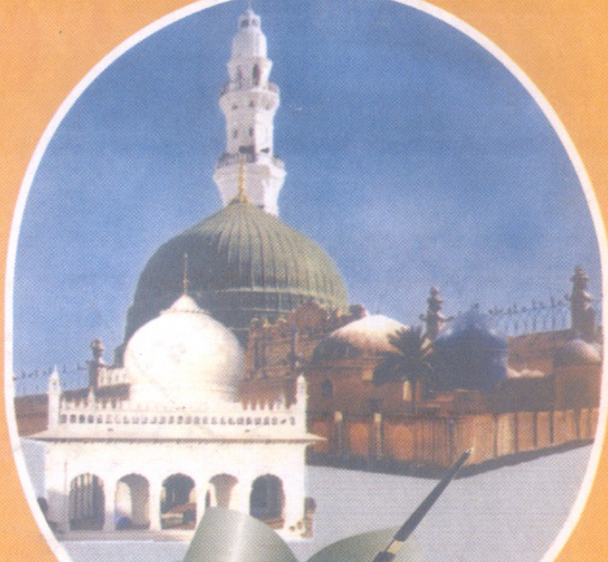
(۸۹) مقالات سعیدی، علامہ غلام رسول سعیدی، مطبوعہ، فرید بک سٹال، لاہور

(۹۰) اصطلاحات حدیث، علامہ غلام نصیر الدین چشتی، مطبوعہ، نظامیہ کتاب گھر، لاہور

(۹۱) المفردات، علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی، متوفی ۵۰۲ھ، مطبوعہ، المکتبۃ المرتضویہ، ایران

(۹۲) کتاب التعریفات، علی بن محمد سید الزین ابوالحسن الحسینی الجرجانی، متوفی ۸۱۶ھ، مطبوعہ، مکتبہ رحمانیہ

(۹۳) المنجد، لوئیس معلوف الیسوعی، مطبوعہ، مکتبہ قدوسیہ، لاہور



ادارہ نصیر المصنفین

نعیمیہ بک سٹال
عمر ٹاور حق سٹریٹ
اردو بازار، لاہور
0321-4318640, 0300-4986439